ماہنامہ

انذار

Inzaar

مدیر: ابویحییٰ

اکتوبر ۲۰۲۰

www.inzaar.pk

October 2020

غم کو دور کرنے کی کوئی فوری دوا نہیں

بجز دعا کے جو غم کو دور کرنے کی سب سے موثر دوا ہے

Please visit our websites to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

www.inzaar.pk (Urdu Website)

Join us on twitter @AbuYahya_inzaar

Join us on Facebook

Abu Yahya's Official Page: facebook.com/abuyahya.inzaar

Inzaar Official Page: facebook.com/inzaartheorg

Join us on YouTube youtube.com/inzaar-global

WhatsApp Broadcast list: Please contact +92-334-1211120 from WhatsApp (Daily Msg Service-Broadcast Lists – No Groups)

To get books and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Pakistan, contact 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit ww.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to **info@inzaar.org** and info@inzaar.pk

Our material in audio form is available on USB/CD

قارئین سے خصوصی التماس

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

امید ہے کہ آپ خیروعافیت سے ہوں گے۔ ماہنامہ انذار گذشتہ کئی برسوں سے ایمان واخلاق کا پیغام لوگوں تک پہنچا رہا ہے۔ ہماری کوشش رہی ہے کہ یہ رسالہ کسی تعطل کے بغیر اپنے قارئین تک پہنچتا رہے۔ آپ جانتے ہیں رسالہ کی ترسیل بذریعہ پاکستان پوسٹ کی جاتی ہے۔ گذشتہ چند ماہ سے پاکستان پوسٹ کی ناقص کارکردگی اور کورونا وبا کے نتیجہ میں ہونے والے لاک ڈاؤن نے ڈاک کی ترسیل کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ آپ کی طرف سے موصول ہونے والی شکایات اور موجودہ صورت حال میں آپ تک رسالہ کی بروقت ترسیل کے پیش نظر ماہنامہ انذار کی انتظامیہ نے بذریعہ TCS رسالہ کی ترسیل کا فیصلہ کیا ہے، تاہم اس کے نتیجے میں ترسیل کے اخراجات میں اضافہ ہورہا ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ ان اضافی اخراجات کی ادائیگی کو ممکن بنائیں تاکہ بذریعہ TCS رسالہ کی ترسیل کا سلسلہ جاری رکھا جاسکے، بصورت دیگر انتظامیہ رسالہ کی ترسیل بذریعہ پاکستان پوسٹ ہی جاری رکھے گی۔

اضافی اخراجات کی معلومات کے لیے مندرجہ ذیل طریقہ کار پر عمل کریں:

۱۔ اپنے زون کا انتخاب کریں۔

۲۔ اپنے زون کے سبسکرپشن چارجز میں سے اداشدہ سالانہ سبسکرپشن چارجز (۹۰۰ روپے کراچی/۶۰۰ روپے بیرون کراچی) کو نکال دیں۔

۳۔ حاصل شدہ عدد آپ کے اضافی اخراجات ہوں گے۔

نوٹ: کراچی کے لیے کسی اضافی ادائیگی کی ضرورت نہیں ہے۔ کراچی کے سبسکرپشن چارجز وہی رہیں گے۔

زون نمبر	زون کا نام	فی کاپی سالانہ سبسکرپشن چارجز بذریعہ TCS
زون نمبر ۱	کراچی	900 روپے
زون نمبر ۲	سندھ اور بلوچستان	1094 روپے
زون نمبر ۳	پنجاب، خیبر پختونخوا، گلگت بلتستان، آزاد کشمیر	1242 روپے

واجبات اور سبسکرپشن چارجز مندرجہ ذیل طریقے پر ارسال کریں۔			
Easy Paisa	Muhammad Shafiq	03343799503	CNIC# 42201-8355292-9
Money Order	Monthly Inzaar 4th Floor Snowhite Centre Abdullah Haroon Road Opp Hotel Jabees Saddar Karachi. P.O BOX- 7285		
Account	Title of Account Monthly Inzaar A/C# 0171-1003-729378 Bank Al Falah Saddar Branch Karachi.		

شکریہ

وارث رضا

سرکولیشن مینیجر

ایجنسی ڈسکاؤنٹ 20 فیصد ہے۔ ایجنسی ڈسکاؤنٹ کے لیے کم از کم ہر ماہ پانچ رسالے لینا ضروری ہیں۔

آپ سے درخواست ہے کہ واجبات/سبسکرپشن چارجز کو بھیجنے کے بعد اپنے نام اور موبائل نمبر کے ساتھ نیچے دیے ہوئے نمبر پر ضرور Whatsapp/SMS کریں مزید معلومات کے لیے اس نمبر پر رابطہ کریں: 0312-2099389

ماہنامہ

اِنذار

اکتوبر 2020ء صفر/ربیع الاول 1442ھ

جلد 8 شمارہ 10

فی شمارہ ___ 40 روپے
سالانہ: کراچی (بذریعہ کوریئر) 900 روپے
بیرون کراچی (نارمل پوسٹ) 600 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر (vp) یا ڈرافٹ)

ابویحییٰ کے قلم سے

P.O Box-7285, Karachi.
فون: 0332-3051201 , 0312-2099389
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.pk

جنت کے باسی

حسن، جمال اور خوبصورتی کو پسند کرنا انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔انسان جانور نہیں کہ ضرورت پوری کرنے پر قانع ہو جائے اور کائنات کو صرف اپنے بطن و فرج کی ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ سمجھے۔ انسان کے لیے یہ کائنات حسن و رعنائی کا ایک وسیع کینوس ہے جس پر بکھرے ہوئے حسن و جمال کے باکمال نمونے اس کے ذوق جمال کی تسکین کا مکمل سامان ہیں۔

مصورِ کائنات نے اتنی حسین دنیا جانوروں کے لیے پیدا نہیں کی۔اس نے یہ دنیا انسانوں کے لیے بنائی ہے اور انسان کو وہ سب کچھ دیا ہے کہ انسان اس کے جمال و کمال کے نمونے دیکھے اور دیکھ کر سراہے۔ انسانی آنکھ رنگ و روشنی، اس کے کان نغمہ و آہنگ، ناک عطر و خوشبو، جلد نرم و لطیف لمس اور زبان شیریں و لذیذ ذائقوں کو سراہنے اور ان کا لطف لینے کے لیے بنائی گئی ہے۔ انسانی عقل اپنے حواس سے خارج کے اس جمال کو سمیٹتی اور پھر دل کی اس دنیا تک پہنچا دیتی ہے جہاں وجد و اہتزاز کی لہریں روح انسانی میں تلاطم برپا کر دیتی ہیں۔

روح اگر الحاد اور مادیت کی کالک سے سیاہ نہ ہو چکی ہو تو یہ وجد آفریں لمحات اسے نورِ یزدانی سے منور کر دیتے ہیں۔ بندہ خدا سے ہم کلام ہو کر اس کی حمد کے نغمے گانے لگتا ہے۔لیکن روح اگر غفلت اور معصیت کی دبیز تہہ میں دفن ہو چکی ہو تو پھر دو قدموں پر چلنے والے انسان کے لیے موج مستی ہی مقصودِ حیات بن کر رہ جاتی ہے۔

میں، آپ اور ہم سب کائنات کے حسن کے اسیر ہیں۔مگر ہمیں دیکھنا چاہیے کہ حسنِ کائنات ہماری روح کو حمدِ الٰہی کے نغموں سے معمور کرتا ہے یا پھر کچھ مستی اور وقتی سرور ہی ہمارے حصے میں آتا ہے۔ یہ دیکھنا اس لیے اہم ہے کہ حمد کرنے والے عنقریب حسن کامل یعنی جنت کے باسی بنائے جائیں گے۔ رہے موج مستی کرنے والے تو ان کی غفلت انھیں اس جہنم تک پہنچا دے گی جہاں عذابوں کے سوا کوئی ان کا منتظر نہیں۔

عبادت کی روح

نماز اور دیگر عبادات سے متعلق بہت سے لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان عبادات کی کیا ضرورت ہے۔ بہت سے ملحدین یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا اپنی تعریف، پرستش اور عبادت کے لیے لوگوں کو مجبور کرنا غیر اخلاقی عمل نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خدا کی حمد، پرستش اور اس کی عبادت اپنی ذات میں عین اخلاقی عمل ہے۔ انسان کے متعلق دو حقائق بالکل واضح ہیں۔ ایک یہ کہ انسان ایک عاجز ہستی ہے۔ وہ نہ اپنی زندگی پر کوئی قدرت رکھتا ہے اور نہ اسباب زندگی فراہم کرنے پر۔ سورج، ہوا، پانی، غذا غرض زندگی کے وجود، بقا، تسلسل اور تحفظ کے لیے جس چیز کی ضرورت ہے، انسان اس کو خود فراہم نہیں کرسکتا۔ یہ خدا کی ہستی ہے جو انسان کو یہ سب کچھ عطا کرتی ہے۔

انسان کے متعلق دوسری حقیقت یہ ہے کہ انسان ایک اخلاقی وجود ہے۔ یہ مہربانی، احسان اور شفقت کو سمجھ کر اس کا جواب اعتراف، شکر گزاری اور خدمت و اطاعت سے دیتا ہے۔ ایسے میں جس خدا نے یہ سب کچھ عطا کر کے اس کے ہر عجز کی تلافی کی ہے، انسان کی اخلاقی حس اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ اس خدا کا شکر کرے۔ اس کا احسان مانے۔ اس کی اطاعت اور پرستش کرے۔ ایسا کرنا عین اخلاقی عمل ہے۔

عبادات کو جب اس اخلاقی روح کے ساتھ سمجھ کر کیا جاتا ہے تو ایسا انسان خلق کے حقوق کی ادائیگی میں بھی محتاط ہو جاتا ہے۔ جس نے ان دیکھے خدا کے حقوق کو سمجھا، وہ نظر آنے والی مخلوق کے حقوق سے کیسے بے پروا رہ سکتا ہے۔ چنانچہ عبادات اگر روح کے ساتھ ادا کی جائیں تو وہ انسان کو خالق کے ساتھ مخلوق کے حقوق میں بھی حساس بنا دیتی ہیں۔ یہی وہ عبادات ہیں جو اس دنیا میں ایک اعلیٰ انسان اور آخرت میں اس جنت کو تخلیق کرتی ہے جہاں اعلیٰ انسان ہمیشہ اپنے خالق کی معیت میں رہیں گے۔

کراچی کی تباہی

کراچی کی تباہی کی داستان عشروں پر محیط ہے۔ میں مذہب کے ساتھ تاریخ کا بھی طالب علم ہوں۔ چاہوں تو اس داستان کا ایک ایک ورق کھول کر رکھ دوں۔ مگر یہ کون سا ایسا راز ہے جو باشعور اور غیر متعصب لوگوں پر واضح نہیں؟ رہے متعصب لوگ تو امید ہے کہ کراچی کی موجودہ تباہی نے ان میں سے کچھ کی آنکھیں ضرور کھولی ہوں گی۔ اس تباہی کا یہ فائدہ بھی کچھ کم نہیں۔

بارشوں میں حالیہ تباہی کو دیکھ کر عام لوگ مایوس اور پریشان ہیں، مگر میں پرامید ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کراچی کے باشندوں کو عشروں بعد پچھلے الیکشن میں جبر سے نجات ملی تھی۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے شعور کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے ان دو جماعتوں کو ووٹ دینے سے پرہیز کیا جو کراچی کی اس تباہی کی براہ راست ذمہ دار تھیں۔ انھوں نے ایک تیسری قوت کو ووٹ دیا۔ اس کا اور کوئی فائدہ ہوا ہو یا نہیں، یہ فائدہ اہل کراچی کو ضرور ہوا کہ انھیں لاہور جا کر پہلے جو احساس کمتری بہت زیادہ ہوتا تھا، وہ اب وہاں کے معاملات دیکھ کر کچھ کم ہوتا ہے۔

2023 زیادہ دور نہیں۔ اہل کراچی موجودہ بارش میں اپنی تباہی کو یاد رکھیں اور یہ بھی اچھی طرح یاد کر لیں کہ اِس وقت شہر، صوبے اور وفاق میں کون کون حکمران ہے۔ ان میں سے ہر گروہ کراچی کا مجرم ہے۔ اپنے مجرموں کو اگلی دفعہ ووٹ نہ دیں۔ جمہوریت کا اصل فائدہ یہی ہے کہ اگر عوام تہیہ کر لیں کہ انھیں لیڈروں سے عشق نہیں کرنا بلکہ خدمت کے لیے منتخب کرنا ہے تو دو تین الیکشن کے بعد ٹھیک لوگ اقتدار میں آجاتے ہیں۔

اصل چیز اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ الیکشن ہوتے رہیں۔ ان میں دھاندلی نہ ہو۔ کسی جماعت یا گروہ کو اسلحہ کے زور پر عوام کو یرغمال بنانے کی اجازت نہ ہو۔ لیڈروں سے عشق نہ کیا جائے۔ اس کے بعد معاملات ان شاء اللہ العزیز آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائیں گے۔

موٹروے کا سانحہ اور ہمارا مائنڈ سیٹ

لاہور سے گوجرانوالہ جانے والی ایک خاتون کو موٹروے پر اس کے بچوں کے سامنے اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ ہمارے ہاں ایسے اذیت ناک سانحات کی ایک تاریخ ہے۔ مثال کے طور پر پچھلے انتخاب سے قبل ایک واقعہ کا بہت چرچا ہوا تھا جس میں ستر اوراسی کی دہائی کی ایک معروف اداکارہ سے اس کے گھر میں اور اس کے بچے کے سامنے زیادتی کی گئی تھی۔ یہ مجرم سیاست میں کودا تو واقعہ تازہ ہو گیا تھا۔ مگر معلوم ہے کہ ضیاالحق کے سخت ترین مارشل لا میں بھی یہ مجرم اپنے اثر ورسوخ کے بل بوتے پر صاف بچ کر نکل گیا تھا۔

اس موقع پر بھی کچھ حلقوں کی طرف سے کہا گیا تھا کہ یہ تو اداکارہ ہے۔ اب سرکاری ملازم فرمارہے ہیں کہ خاتون کو رات کے وقت گھر سے نہیں نکلنا چاہیے تھا۔ یہ وہ مائنڈ سیٹ ہے جسے جب تک بدلا نہیں جائے گا ایسے گھناؤنے جرائم کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ اول تو کسی کو کیا پتہ کہ اس خاتون کو کیا مسئلہ یا کیا ایمرجنسی تھی کہ وہ اس ناوقت گھر سے نکلی؟ دوسرے یہ کہ کسی خاتون کو کب گھر سے نکلنا چاہیے اور کب نہیں، یہ سمجھانے کا حق اس کے گھر والوں کو ہے۔ پولیس کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ مظلوم عورت کی غلطیاں بیان کرنا شروع کر دے۔ حکومت اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کا کام یہ ہے کہ ہر قیمت اور ہر صورت پر شہریوں کا تحفظ کریں۔ یہی وہ بنیادی کام ہے جس کے لیے شہری اپنا پیٹ کاٹ کر حکومت کو ٹیکس دیتے ہیں۔

وقت آ گیا ہے کہ اب شہری ٹیکس دینے کے ساتھ حکومت اور اس کے اداروں کو یہ بھی بتائیں کہ ان کے حقوق کیا ہیں۔ ان کا سب سے بنیادی حق جان، مال اور آبرو کا تحفظ ہے۔ پولیس کا کام حکمرانوں کی خدمت نہیں بلکہ مجرموں کو پکڑنا اور انھیں لازماً سزا دلوانا ہے۔ اس سے بڑھ کر جرم ہونے سے پہلے ان کے تحفظ کے لیے اقدامات کرنا ہے۔ لوگوں کو اپنے حق کے لیے آواز اٹھانا ہوگی ورنہ ایسے درندے ان کی بیٹیوں کو برباد کرتے رہیں گے۔

گڈ بائے اسمارٹ بوائے

[ابو یحییٰ صاحب کے نوجوان بھانجے کی حادثاتی موت پر ان کا لکھا آرٹیکل قارئین کے ساتھ شیئر کیا جارہا ہے۔]

میرے بچے عبدالسمیع! تمھاری جوان موت پر میرا وجود کرچی کرچی ہو رہا ہے۔ میری آنکھیں سمندر بن چکی ہیں۔ مگر میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم اپنے رب کے حضور اس کے فیضان رحمت کا رزق پا رہے ہو۔ اس لیے یہ دل جو درد میں ڈھل چکا ہے، تمھاری جدائی کے دکھ کے باوجود اپنے رب سے راضی ہے اور اس کے حضور یہی عرض کر رہا ہے کہ تو پاک ہے! تیرا کوئی فیصلہ ناحق نہیں ہوسکتا۔ سُبۡحَانَكَ لَا عِلۡمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا۔ تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے۔ ہم کو تو صرف اتنا معلوم ہے جتنا تو نے ہمیں علم دیا ہے۔

یہ علم بتاتا ہے کہ خدا کے کاموں کے لیے جب کوئی استعمال ہوجائے تو اس کی خطائیں معاف اور اجر لامحدود ہوجاتا ہے۔ یہ لوگ مر کر بھی مردہ نہیں ہوتے اور رزقِ ربانی کا فیضان روزِ قیامت سے پہلے پانا شروع کر دیتے ہیں۔ وَلَا تَقُولُواْ لِمَنۡ يُقۡتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمۡوَاتٌ بَلۡ أَحۡيَاء وَلَـٰكِن لَّا تَشۡعُرُونَ، وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُواْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمۡوَاتاً بَلۡ أَحۡيَاء عِندَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُونَ ۔ راہِ خدا میں مرنے والوں کو مردہ کہو نہ سمجھو، وہ تو زندہ ہیں لیکن تمھیں اُس زندگی کا شعور نہیں۔ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور رزق پا رہے ہیں۔

راہِ خدا میں مرنے والے دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اللہ کے پیغام کی گواہی دینے کے لیے اٹھتے ہیں اور اس راہ میں اپنی جان تک دے ڈالتے ہیں۔ دوسرے وہ ہوتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ استعمال کرتا ہے اور پھر ان کے ذریعے سے بندوں تک اپنا پیغام پہنچاتا ہے۔ ایک جلیل القدر پیغمبر نے اسی بات کو اس طرح سمجھایا ہے کہ اندھے اس لیے پیدا کیے گئے ہیں تاکہ آنکھوں والے دیکھ سکیں۔

رب علیم و حکیم کبھی کسی کو آنکھوں کی محرومی کے امتحان میں ڈال کر اسے استعمال کرتا ہے اور کبھی کسی جوان رعنا کی موت کو لوگوں کو جھنجھوڑنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ ایسے نوجوان کی

حادثاتی موت گرچہ اس کے پیاروں کی کمر توڑ دیتی ہے، مگر یہ دوسروں کے لیے ایک اعلان عام ہوتا ہے۔ اس بات کا کہ موت ایک زندہ حقیقت ہے جسے بھول کر جینا سب سے بڑی حماقت ہے۔ دنیا کو ہمیشہ کا گھر سمجھنے والو ! یہ دنیا دارِ فانی ہے جہاں کسی لمحے بھی تمھارے لیے کوچ کا نقارہ بلند ہوسکتا ہے۔ غفلت کی نیند سے جاگو اور اس زندگی کی تیاری کرو جو موت کے بعد شروع ہوگی اور پھر کبھی ختم نہیں ہوگی۔

میرے بچے! تمھاری موت نے ہماری کمر توڑ دی ہے، مگر ہم اپنے رب کے اس فیصلے سے راضی ہیں اور اس کے شکرگزار ہیں کہ اس نے تمھیں اپنے کام کی خدمت کے لیے منتخب کیا اور تمھیں اس راہ میں موت دی۔ تم سے یہ خدمت اللہ تعالیٰ ایک دوسرے پہلو سے اس سے قبل بھی لے چکے ہیں جب تم نے میرے مضمون پھر فرض کیجیے کی ڈرامائی تشکیل کی تھی تا کہ اس پر ایک شارٹ مووی بنائی جاسکے۔ تم اس ٹیم کا اہم حصہ تھے جس نے یہ شارٹ مووی بنائی اور پھر جسے مختلف ذرائع ابلاغ پر لاکھوں لوگوں نے دیکھا۔ یہ ایک ایسے شخص کی داستان تھی جو چھوٹی چھوٹی محرومیوں پر خدا اور بندوں سے ناراض رہتا تھا۔ اور پھر اسے پتہ چلتا ہے کہ کتنی بڑی بڑی نعمتیں اس کے پاس موجود تھیں جن کی اس نے قدر نہ جانی یہاں تک کہ وہ نعمتیں ایک ایک کر کے اس سے چھن گئیں۔

اسی ڈرامے کا ایک منظر وہ تھا جب ماں باپ کو اپنے جوان بچے کی حادثاتی موت کی خبر ملتی ہے اور پھر اس کے والدین بکھر کر رہ جاتے ہیں۔ میرے بچے ! تمھاری حادثاتی موت نے اس فکشن کو ایک زندہ پیغام بنا دیا اور تم نے مر کر زندہ لوگوں کو یہ بتایا ہے کہ زندگی کتنی بڑی نعمت ہے اور اس کا کیسا شکر ادا کرنا چاہیے۔

میرے بچے! تمھاری ناحق موت نے ہمارے معاشرے کی اس دیوانگی کو بھی عیاں کر دیا ہے جس میں مبتلا ہو کر انسانی جان کا تقدس ہر روز پامال کیا جاتا ہے۔ سالانہ 35 ہزار لوگوں کی جان لینے والا ہماری ٹریفک کا نظام ہماری جہالت، بے حسی، غفلت، لاپرواہی، بدنظمی، قانون شکنی

اور بے صبرے پن کا زندہ نمونہ ہے۔ جس شخص کو یہاں کوئی کام نہیں آتا وہ پیسے کمانے کے لیے ڈرائیور بن جاتا ہے۔ بسوں، ویگنوں اور ٹرکوں کے یہ ڈرائیور وہ ممکنہ قاتل ہیں جو شہر کی سڑکوں پر ہر قاعدے قانون کو روندھتے دندناتے پھرتے ہیں۔ تم بھی ایسے ہی ایک بے حس اور سفاک قاتل کی نذر ہوگئے جو تم پر ٹرک چڑھا کر فرار ہوگیا۔

ایسے قاتل شہر کی سڑکوں پر ہر روز کتنی ہی ماؤں کی گود اجاڑتے، کتنی ہی عورتوں کو بیوہ کر دیتے اور کتنے ہی معصوموں کی جانیں لے لیتے ہیں۔ مگر مجال ہے کہ معاشرے میں کسی کی پیشانی پر اس قتل عام پر کوئی بل بھی آئے۔ پھر یہ پیشہ ور ڈرائیور ہی کیا، عام ڈرائیوروں کا حال بھی اس سے مختلف نہیں۔ ٹریفک کے ہر اصول کی خلاف ورزی کر کے گاڑی چلانا ہماری روایت ہے۔ ہم یہ روایت نہیں چھوڑیں گے، ماؤں کی گود اجاڑتے رہیں گے۔

میرے بچے! تمھاری موت نے معاشرے کے سامنے ایک زندہ سوال رکھ دیا ہے۔ وہ یہ کہ ہمیں اپنی اس قوم کی تربیت کرنی ہے یا نہیں جو مجموعی طور پر جذباتی، بے شعور اور غیر تربیت یافتہ ہے۔ ہم نے یہ نہیں کیا تو ایک کے بعد ایک کر کے ہر خاندان کا کوئی نہ کوئی پیارا کبھی نہ کبھی اس بے حسی کی نذر ہوتا رہے گا۔ کیا ہم سب فارمی مرغیوں کی مانند بن چکے ہیں جو بے حس و حرکت اس بات کا انتظار کرتی رہتی ہیں کہ کب کوئی قصائی انھیں موت کی دہلیز تک لے جائے؟

ہمیں فیصلہ کرنا ہوگا کہ اپنی قوم کو نان اشوز اور جذباتی باتوں کے پیچھے لگانے کے بجائے ان کے اصل مسائل کو حل کرنے کی کوشش کریں گے۔ انسانی جان کی حرمت کو محسوس کریں گے جس کا تقدس ہر چیز سے بلند ہے۔ بنیادی انسانی اور اخلاقی اقدار جو عین ہمارے دین کی تعلیم ہیں، ایک ایک فرد کو ان کی تعلیم دیں گے۔ لوگوں کی تربیت کو اپنی سب سے بڑی ترجیح بنائیں گے تاکہ جانوروں کے کسی گلے کی شکل اختیار کرتا ہمارا معاشرہ دوبارہ ایک انسانی معاشرہ بن سکے جس میں انسانی جان کا تقدس ہر چیز سے بڑا ہوتا ہے۔

میرے جوان رعنا! تم رشتے میں میرے بھانجے لیکن درحقیقت میری اپنی اولاد کی طرح

تھے۔ تمھارے نو ماہ میری بہن نے ہمارے گھر میں گزارے جب انھیں ڈاکٹر کے ہاں لے جانا میرا کام تھا۔ مجھے جنوری کی وہ خنک رات آج بھی یاد ہے جب تم اس دنیا میں آئے۔ میں اپنے بہنوئی کے ہمراہ اپنی بہن کے ان اذیت ناک لمحوں کے ختم ہونے کا منتظر تھا جن کی تکلیف ماں کو ماں کی عظمت عطا کرتی ہے۔

میرے بچے! جب تم دنیا میں آئے تھے تو تمھیں دیکھ کر ہمیں لگا تھا کہ کوئی بہت خوبصورت لڑکی تھی جس کو آخری وقت میں لڑکا بنا دیا گیا تھا۔ مجھے تمھارا یونیفارم میں اسکول جانا بھی یاد ہے اور لڑکپن کا موٹاپا بھی۔ اور یہ تو حال ہی کی بات ہے کہ تم نے خود کو ڈائٹنگ کر کے بالکل دبلا اور اسمارٹ کرلیا تھا۔ میرے موبائل میں کوئی مسئلہ ہوتا تو میں سب سے پہلے تم سے حل پوچھتا تھا۔ اس وقت بھی جو وڈیو میں بناتا ہوں اس کے لیے تمھاری بتائی ہوئی ڈیوائس استعمال کرتا ہوں۔

تمھاری ہر یاد میرے دل کے ساتھ ہے، مگر ان یادوں میں سب سے لطیف یاد یہ ہے کہ بچپن میں تم انڈے کھانے کے بہت شوقین تھے۔ ناشتے پر تم میرے ساتھ بیٹھتے اور اپنا انڈہ تیزی سے کھانے کے بعد میرے سامنے سے پلیٹ اٹھا کر میرے حصے کا انڈہ بھی کھا جاتے تھے۔ میں اخبار پڑھ رہا ہوتا اور مجھے خبر بھی نہیں ہوتی تھی کہ میرے ساتھ کیا ہاتھ ہو چکا ہے۔

اب یہ سب ماضی ہے۔ مگر تم ماضی نہیں ہوئے ہو۔ تم تو مستقبل ہو۔ تم تو پورے خاندان اور پوری نسل میں سب سے پہلے رب رحیم کے حضور پہنچ کر اس کی مہمانی کا شرف حاصل کر رہے ہو۔ ان شاء اللہ جلد ہم سب وہاں دوبارہ جمع ہوں گے۔ تم ہر روز ناشتہ میرے ساتھ کرنا۔ مگر ہشیار رہنا، اس دفعہ میں تمھیں اپنے حصے کے انڈے نہیں کھانے دوں گا بلکہ تمھارے حصے کے انڈے میں کھاؤں گا۔ کیونکہ تم شہید ہو اور تمھارا رزق ہم سے بہتر ہوگا۔ امید ہے تم اپنے ماما کی اس شرارت کا برا نہیں مانو گے۔

اب آنسو نہیں تھمتے۔ اس لیے اجازت دو۔ اللہ کریم تمھیں ہمیشہ اپنی رحمت، بخشش اور رضا کے سائے میں رکھے۔ اگلی ملاقات تک گڈ بائے اسمارٹ بوائے۔

آخری وحی

انبیا کی تعلیمات کا سب سے بنیادی پہلو ایمانیات ہوتا ہے۔ اس ایمان کی اساس قرآن مجید میں یہ بیان ہوئی ہے کہ بندہ مومن کو غیب میں رہ کر ایمان لانا ہے (البقرہ 3:2) اور غیب میں رہ کر اللہ سے ڈرتے رہنا ہے، (الملک 12:67)۔ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ وہ انسانوں کو غیب پر مطلع کر دیں۔ غیب کی خبریں بذریعہ وحی صرف ان منتخب شخصیات کو دی گئیں جن کو اصطلاحاً نبی کہا جاتا ہے۔ یہ منتخب ہستیاں فرشتوں کی نگرانی میں رہ کر اپنے رب کا پیغام بندوں تک پہنچاتی ہیں، (الجن 72:28-26)۔

وحی و نبوت کے تصور کی اساس اسی حقیقت پر ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے لیے کبھی غیب کی دنیا کا پردہ نہیں اٹھاتے سوائے انبیا علیہم السلام کے جن کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ رب کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچائیں۔ وحی و نبوت کے متعلق قرآن مجید نے جہاں اور دوسری کئی چیزیں واضح کی ہیں، وہیں یہ حقیقت بھی بیان کی ہے کہ وحی کا یہ سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے پہلے ہی ہوا کرتا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اللہ، غالب اور حکیم اسی طرح تمھاری طرف وحی کرتا ہے اور جو تم سے پہلے گزرے ہیں، ان کی طرف بھی اسی طرح وحی کرتا رہا ہے۔''، (الشوریٰ 3:42)

قرآن مجید کے آغاز پر جہاں اس وحی کو ایمانیات کا حصہ قرار دیا گیا ہے وہیں یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ یہ نزول وحی حضور اور آپ سے پہلے ہی ہوا کرتی تھی۔ ارشاد ہے:

''اور جو اسے بھی مان رہے ہیں جو تمھاری طرف نازل کیا گیا اور اسے بھی جو تم سے پہلے نازل کیا گیا،'' (البقرہ 4:2)

قرآن مجید کے لیے یہ تصور ہی اجنبی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ کسی شخص کو وحی و الہام سے نوازیں اور غیبی امور پر اسے مطلع کریں، کیونکہ وحی کا تعلق منصب نبوت سے ہے۔ جب کسی شخص پر وحی ہوتی ہے تو وہ نبی بن جاتا ہے اور کوئی شخص نبی نہیں ہے تو اس پر

وحی بھی نازل نہیں ہوسکتی۔ وحی جب اپنے اصطلاحی مفہوم میں امورِ غیبی کی خبریں دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی جاتی ہے تو منصب نبوت کو لازمی کر دیتی ہے۔ اس تصور سے ہٹ کر کوئی تصور اگر پایا جاتا ہے تو وہ کچھ بھی ہوسکتا ہے، قرآن مجید کی بات نہیں ہوسکتی۔

اس حوالے سے تین سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ سوالات اور ان کے جواب درج ذیل ہیں۔

پہلا یہ کہ قرآن مجید دیگر مخلوقات کے لیے وحی کا ذکر بھی کرتا ہے۔ جیسے شہد کی مکھی پر وحی (النحل 68:16) یا آسمان و زمین سے مکالمہ اور ان پر وحی (حم سجدہ 11-12:43)۔ اس وحی کی نوعیت کیا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ غیب کے حقائق پر مطلع کرنے والی اصطلاحی وحی کا بیان نہیں بلکہ وحی کا لفظ یہاں لغوی مفہوم میں استعمال ہوا ہے اور اس تکوینی نظام کا بیان ہے جس میں ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبردار ہیں۔ اس تکوینی نظام میں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کو احکام جاری کرتے ہیں۔ یہ مقامات اسی حقیقت کو بیان کرتے ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر وحی (القصص 7:28) کا ذکر ہے۔ اسی طرح حضرت مریم کے پاس فرشتوں کے آنے اور ان سے مکالمے کا ذکر ہے۔ (آل عمران 42-43:3، مریم 19-21:19)۔ اس معاملے کی حقیقت کیا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں واقعات پیغمبروں سے متعلق ہی تھے جن کا ظہور ان کی ماؤں کے ذریعے سے ہونا تھا۔ یعنی حضرت موسیٰ کا دریا کے ذریعے فرعون کے محل میں پہنچنا اور حضرت عیسیٰ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا۔ اس پس منظر میں جس وقت ضرورت ہوئی، پیغمبروں کی ماؤں کے ساتھ معاملہ کیا گیا۔ اس سے کوئی عمومی کلیہ برآمد نہیں ہوتا۔ بالفرض اس سے غیر نبی پر وحی کا کوئی نکتہ نکالا بھی جائے تو بہر حال یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا واقعہ ہے اور جیسا کہ ہم نے آیات نقل کیں، حضور کے بعد وحی کے کسی تصور سے قرآن خالی ہے۔ یہیں سے تیسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور کے بعد کسی وحی کا قرآن میں ذکر نہ ہونا کیا اس بات کو لازمی کر دیتا

ہے کہ آئندہ کسی فرد پر وحی نہیں ہو سکتی؟

اس بات کا جواب یہ ہے کہ وحی و نبوت کا معاملہ ایمانیات کا ہے۔ ایمانیات میں اضافہ گمراہی کی وہ قسم ہے جو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ یہ محض ہمارا خیال نہیں، قرآن مجید کا اعلان ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بطور ایک نبی مبعوث کیے گئے۔ مگر مسیحی متکلمین نے فلسفیانہ اور منطقی مباحث میں الجھ کر انھیں نبی کے منصب سے اٹھا کر اس خود ساختہ خدائی تثلیث کا ایک حصہ بنا دیا جس کا الہامی کتابوں سے کوئی تعلق نہیں۔ مسیحی حضرات کا یہ عمل جو دراصل ایمانیات میں کیا گیا ایک اضافہ یا تبدیلی تھی اور قطع نظر اس کے کہ کسی بھی وجہ سے کی گئی تھی، اسے اللہ تعالیٰ نے کفر سے تعبیر کیا ہے، (المائدہ 73:5)۔

ایمانیات میں اضافے کو کفر قرار دینے کا یہی خدائی فیصلہ اس بات میں مانع تھا کہ حضور کے بعد کسی وحی کی گنجائش مانی جاتی، مگر قرآن مجید نے ختم نبوت کی مشہور آیت (الاحزاب 40:33) میں واضح طور پر اپنا فیصلہ سنا دیا کہ نبوت کا وہ سلسلہ جس کا دارومدار آسمانی وحی پر تھا، حضور نبی کریم کی ہستی اس کے لیے خاتم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اب نہ غیب کی خبریں دینے کے لیے وحی نازل ہوگی نہ نبوت کا بند دروازہ کبھی کھلے گا۔

مسلمانوں میں حضور کے بعد وحی والہام کے دعوے ہوں یا نبوت کے دعویدار، سب انھی قرآنی بیانات کی روشنی میں باطل قرار پاتے ہیں۔

کوئی منطقی بحث، کوئی اجتہادی رائے، کوئی ذاتی مشاہدہ، کوئی دعویٰ، کوئی دلیل واستنباط اور کوئی یقین قرآن مجید کے فیصلے کو نہیں بدل سکتا۔ لوگوں کو آج یہ حق حاصل ہے کہ جو چاہیں بولتے اور لکھتے رہیں۔ یہ حق لوگوں کو اللہ نے خود دیا ہے۔ مگر قرآن مجید کی روشنی میں ان کی ہر بحث باطل ہے۔ ان کا ہر اجتہاد باطل ہے۔ ان کا ہر مشاہدہ باطل ہے۔ ان کا ہر دعویٰ باطل ہے۔ ان کی ہر دلیل، ہر استنباط اور ہر یقین باطل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا اور قرآن مجید کے بعد کوئی وحی نہیں اتر سکتی۔ لوگوں کو جو ماننا ہے وہ مانتے رہیں، مگر قرآن مجید کی بات اپنی جگہ بالکل واضح ہے۔

ختم نبوت کے بعد وحی

انبیا کی تعلیمات کا سب سے بنیادی پہلو ایمانیات ہوتا ہے۔قرآن مجید کا خصوصی موضوع یہی ایمانیات ہے۔اس باب میں قرآن مجید کا یہ اعجاز ہے کہ اس میں ایمانیات کی انتہائی تفصیل کر دی گئی ہے اوران کے مختلف پہلوؤں کو بار بار اس طرح دہرایا گیا ہے کہ حق کے کسی سچے متلاشی کے لیے اسے سمجھنا کوئی مشکل کام نہیں۔

اس تفصیل کی جہاں اور بہت سی وجوہات تھیں وہیں ایک وجہ یہ تھی کہ ہر امت وقت گزرنے کے ساتھ نبیوں کی تعلیمات میں تبدیلی اوراضافے کر دیا کرتی تھی۔مثلاً فرشتوں کا یہ کردار سابقہ انبیا کی تعلیم میں موجود تھا کہ وہ خدائی فیصلوں کو نافذ کرتے ہیں۔اسی چیز کو لے کر مشرکین نے فرشتوں کوخدائی نظام میں اللہ کا شریک بنا دیا۔چنانچہ قرآن مجید میں یہ بتایا گیا کہ فرشتے خدا کے بندے ہیں جواس کے حکم سے مختلف کام کرتے ہیں۔وہ خوداللہ تعالیٰ کی خدائی میں کسی پہلو سے شریک نہیں ہیں۔یوں قرآن مجید میں ہر ہر گمراہی کا ازالہ کر کے صحیح اور مطلوب بات کوتفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

قرآن مجید کی حفاظت کے خدائی اہتمام (الحجر 9:15) کے بعد یہ ممکن نہیں رہا کہ ان ایمانیات میں کوئی تبدیلی کی جاسکے۔البتہ یہ دروازہ ابھی کھلا ہوا ہے کہ ان میں اضافہ کر دیا جائے۔مثال کے طور پر ممکن ہے کہ فرشتوں کے اس نظام سے متاثر ہوکر یہ تصور قائم کرلیا جائے کہ انسانوں میں سے بھی کچھ رجال ہیں جو دنیا کا انتظام وانصرام چلا رہے ہیں۔یہ کام ظاہر ہے کہ وہ اپنی مرضی سے تو نہیں کر سکتے۔اس کے لیے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ براہ راست غیب کی اس دنیا سے متعلق ہوتے ہیں جواللہ تعالیٰ کی دنیا ہے اوراللہ کی طرف سے ان پر وحی والہام بھی ہوتا ہے۔

یہ تصورات کوئی شخص چاہے تو قائم کرلے، ہمارے پیش نظر یہ بات واضح کرنا ہے کہ ایسے تصورات کا قرآن مجید سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ چیز قرآن مجید کے خلاف ہے کہ کسی مخلوق کے متعلق یہ مانا جائے کہ وہ کائناتی نظام چلانے میں فرشتوں کے شریک ہیں۔قرآن مجید بالکل واضح ہے کہ یہ فرشتے ہیں جو اللہ کے اذن سے ہر معاملے کا حکم لے کر نازل ہوتے ہیں، (القدر 4:97)۔اس طرح کی آیات میں کل امر کے الفاظ بالکل واضح کر دیتے ہیں کہ نظام کائنات سے متعلق تمام خدائی فیصلوں کا نفاذ فرشتے کرتے ہیں۔ایسا نہیں کہ کچھ کام فرشتے اور کچھ مردان غیب کرتے ہوں۔

اسی طرح یہ چیز بھی قرآن مجید کے قطعاً خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیا کے علاوہ کسی اور انسان پر وحی کریں۔وحی غیب کی وہ خبر ہے جو انسانوں میں سے صرف حضرات انبیا کو دی جاتی ہے۔ قرآن مجید اس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ باقی تمام انسانوں کو غیب میں رہ کر ایمان لانا ہے۔قرآن مجید بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا غیب کسی انسان پر ظاہر نہیں کرتے سوائے انبیا و رسل کے،(آل عمران 179:3)۔حضرات انبیا علیہم السلام کی اصل خصوصیت اور ان کو نبی بنانے والی چیز ہی یہ حقیقت ہے کہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے۔ ان کو غیب کے ان سارے معاملات کی خبر دے دی جاتی ہے جن کا ابلاغ باقی انسانوں تک کرنا اللہ تعالیٰ کے پیش نظر ہوتا ہے۔

امور غیب کے حوالے سے دی جانے والی یہ وحی کس طرح انبیا علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے اور کس طرح ختم نبوت کے بعد اس کا دروازہ بند ہو چکا ہے، اس پر ہم ایک الگ مضمون بعنوان آخری وحی میں بات کر چکے ہیں۔جو چیز یہاں واضح کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ ختم نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے بیان کردہ ایمانیات کے تحفظ کا دہرا انتظام کیا ہے۔ ایک یہ کہ

ایمانیات کو جزئیات کی سطح تک جا کر ان کی تفصیلات کو قرآن مجید میں بیان کر دیا گیا ہے تاکہ غلط فہمی کا ہر دروازہ بند ہو جائے۔ مزید یہ کہ قرآن مجید چونکہ کتاب محفوظ ہے اس لیے ان میں تبدیلی کرنا بھی ممکن نہیں۔

دوسرا انتظام ان اضافوں کو روکنے کے لیے ہے جن کی ایک مثال اوپر گزری ہے۔ وہ انتظام یہ ہے کہ دین میں ہر قسم کے اضافے کو ایک سنگین جرم قرار دے دیا گیا ہے۔ اس عمل کو اللہ پر جھوٹ باندھنے سے تعبیر کیا گیا ہے اور اللہ کی آیات کو جھٹلانے جیسا جرم قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ ایسے بیانات موجود ہیں جو اس پورے عمل کی شناعت کو واضح کرتے ہیں مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''سو اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اُس کی آیتوں کو جھٹلا دے؟ حقیقت یہ ہے کہ اِس طرح کے مجرم کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔''، (یونس 17:10)

''کہہ دو، میرے پروردگار نے تو صرف اس کو حرام کیا ہے......اور اِس کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیراؤ، جس کے لیے اُس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اِس کو کہ تم اللہ پر افترا کر کے کوئی ایسی بات کہو جسے تم نہیں جانتے۔''، (الاعراف 7 :33)

''تم اپنی زبانوں کے گھڑے ہوئے جھوٹ کی بنا پر یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اِس طرح اللہ پر جھوٹ باندھنے لگو۔ یاد رکھو، جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھیں گے، وہ ہرگز فلاح نہ پائیں گے۔''، (النحل 116:16)

''اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جو اللہ پر جھوٹی تہمت باندھے یا کہے کہ میری طرف وحی آئی ہے، دراں حالیکہ اُس کی طرف کوئی وحی نہ آئی ہو اور اُس سے بڑھ کر جو دعویٰ کرے کہ میں بھی اُس جیسا کلام نازل کیے دیتا ہوں، جیسا خدا نے نازل کیا ہے؟''، (الانعام 93:6)

قرآن مجید کے بہت سے بیانات میں سے یہ چند ہیں جو بتاتے ہیں کہ حضرات انبیا کی وحی

سے ملنے والے علم کے بغیر جب کسی چیز کو دین یا ایمان کے طور پر بیان کیا جاتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب کس طرح بھڑکتا ہے۔ نزول قرآن کے وقت اصل مسئلہ یہی تھا کہ قدیم انبیا کی تعلیمات میں تبدیلی یا اضافے کر کے اپنے تصورات کو دین بنا دیا گیا تھا۔

قرآن مجید نے عرب میں رائج ان غلط تصورات میں سے ایک ایک کی بھرپور تردید بھی کی اور ساتھ میں یہ اصول بھی دے دیا کہ اللہ کے دیے ہوئے دین میں اپنی طرف سے اضافہ کرنا اللہ تعالیٰ پر بہتان لگانے کے مترادف ہے۔

اب قیامت تک کے لیے ایک بندۂ مومن کے پاس یہی راستہ ہے کہ وہ قرآن مجید میں بیان کردہ ایمانیات کو مانے اور خود کو اسی تک محدود کر دے۔ ان میں اضافے اور تبدیلی کا کوئی سوال ہی نہیں۔ ہاں جو ایمانیات بیان ہوئے ہیں، ان کی شرح و وضاحت کی جا سکتی ہے۔ ان کی تفصیلات کو عوام کو سمجھانے اور بتانے پر بھی کسی طرح کی پابندی نہیں۔ اہل علم کو اپنے آپ کو یہیں تک محدود رکھنا چاہیے۔ ایمانیات میں اضافہ، تبدیلی، ان کے اطلاق کو بدلنا، ان کی تعداد کو بدلنا؛ ایسی ہر چیز قرآن مجید کے خلاف ہے۔ چاہے یہ کسی کو کتنی ہی اچھی لگے۔ چاہے یہ چیزیں لوگوں میں کتنی ہی مقبول کیوں نہ ہو جائیں۔ مگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ایسی ہر چیز قابل رد ہے۔ اس بات کو پورے دین کے حوالے سے حضور کی جوامع الکلم ہستی نے یوں بیان فرمایا۔

من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھو رد، (بخاری، رقم 2697، مسلم، رقم 1718)

جس شخص نے ہمارے اس حکم (دین) میں کوئی ایسی نئی بات نکالی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

ابو یحییٰ

اسلام اور لونڈی غلام (4)

پچھلی قسط میں ہم نے یہ بات واضح کی تھی کہ لونڈی غلاموں کے حوالے سے دورِ جدید میں اٹھائے جانے والے بیشتر سوالات ان ناقص تصورات کا نتیجہ ہیں جو زمانہ قدیم کے سماج اور وہاں موجود لونڈی غلاموں کے حوالے سے لوگوں کے ذہنوں میں پائے جاتے ہیں۔اس پس منظر میں سب سے پہلے ہم نے اس حوالے سے قرآن مجید کی یہ اصولی پوزیشن واضح کی تھی کہ جب وہ مرد و زن کے رشتے کی بات کرتا ہے تو وہاں اس کا بنیادی اصول نکاح ہے۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ قرآن مجید نے اس بات کی اجازت دی تھی کہ جو لونڈیاں ان کے پاس ہیں، ان سے جنسی تعلق قائم کیا جا سکتا ہے اور جو لوگ اس کی نفی کرتے ہیں، وہ قرآن مجید کی بات کی درست ترجمانی نہیں کرتے۔ ہم نے قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں اس چیز کی بھی تفصیلی وضاحت کی تھی۔

آج ہم اس سوال کا جواب دیں گے کہ اس اجازت کا کیا پس منظر تھا، نیز کیا اس اجازت کا مطلب اور قرآن مجید میں لونڈی غلاموں کے ذکر کا مطلب یہ ہے کہ تا قیامت یہ کوئی مطلوب چیز ہے؟ ہم زمانہ قدیم کے غلامی پر مبنی معاشرے کا سماجی پس منظر بعد میں بیان کریں گے، پہلے ہم یہ بات واضح کریں گے کہ قرآن مجید جب کسی چیز پر اس کے سماجی پس منظر میں بات کرتا ہے تو وہ چیز اپنے سماجی پس منظر تک ہی محدود رہتی ہے، اس سے بلند ہو کر شریعت کا کوئی ابدی مطالبہ نہیں بن جاتی۔

قرآن مجید کو سمجھنے کا ایک اہم اصول

قرآن مجید اور تمام انبیا کی تعلیمات اپنے اصل مقصد کے لحاظ سے انسان اور اس کے معبود

کے تعلق کو درست کرنے کے لیے آئی ہیں تا کہ قیامت کے روز جب انسان اپنے رب کے حضور پیش ہوں تو وہاں سرخرو ہو کر جنت کی ابدی کامیابی حاصل کر سکیں۔ اللہ اور بندے کا یہ تعلق چونکہ اخلاقی بنیادوں پر استوار ہے اور انسان خود ایک اخلاقی وجود ہے، اس لیے انسانوں سے یہ مطالبہ بھی کیا گیا ہے کہ وہ باقی تمام امور میں بھی درست اخلاقی رویہ اختیار کر کے اپنی شخصیت کو پاکیزہ بنائیں۔

یہ وہ بنیادی اور مرکزی خیال ہے جس کے اردگرد دین کی تمام تعلیمات گھومتی ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے قرآن مجید ہر اس موضوع پر گفتگو کرتا ہے جہاں انسان کا وجود غیر اخلاقی رویہ اختیار کر کے ناپاک ہو سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایمانیات و عبادات ہی کا ذکر نہیں بلکہ مرد و زن کے تعلق کے آداب سے لے کر جنگوں کی اخلاقیات تک زیر بحث آئی ہیں۔

پھر یہ ساری چیزیں اس طرح زیر بحث نہیں آئیں کہ گویا قرآن مجید احکام ہی کی ایک کتاب ہے جس میں ایک دو تین کر کے سو پچاس احکام دے دیے گئے ہیں۔ بلکہ ایک خاص دور اور علاقے کے لوگ قرآن مجید کے ابتدائی مخاطبین تھے، جن کے معروضی حالات اور عرف میں رہ کر ہی اللہ تعالیٰ کو ابدی تعلیمات عطا کرنی تھیں جنھیں تا قیامت باقی رہنا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید نے جب بھی گفتگو کی اپنے اولین مخاطبین کے حالات میں رہ کر کی۔ قرآن مجید میں یہ تاریخی تناظر اتنا زیادہ غالب ہے کہ اس سے دورِ جدید میں بعض اہل علم کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ قرآن مجید کی تعلیمات صرف عربوں اور اُسی دور کے لوگوں کے لیے تھیں۔ یہ ایک دوسری انتہا ہے جس کی تردید سر دست ہمارا موضوع نہیں ہے۔

تاہم اس سے یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ قرآن مجید کا پیرایہ بیان واضح کیا جائے کہ وہ اپنے ابتدائی مخاطبین کے حالات کے پس منظر میں رہ کر ابدی تعلیمات پیش کرتا ہے۔ یہ بات اگر واضح ہے تو پھر اس حقیقت کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں رہتا کہ زمانہ نزول کے عرف و حالات کی کسی

چیز کا قرآن میں بیان ہونا، اسے لازمی نہیں کر دیتا کہ وہ چیز تا قیامت باقی رہنے والا کوئی دینی مطالبہ بن جائے۔ مثلاً قرآن مجید میں جنگوں کے ضمن میں نیزوں اور گھوڑوں کو تیار رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، (الانفال 60:8)۔ اس سے یہ بات لازم نہیں ہوجاتی کہ اب بھی جنگی تیاریوں کا مطلب یہی ہے کہ نیزے اور گھوڑے کا اہتمام کیا جائے۔ قرآن مجید کے ابدی کتاب اور تا قیامت رہنمائی ہونے کا یہ تقاضا ہرگز نہیں کہ مسلم حکومتیں اپنا دفاعی بجٹ گھوڑوں اور نیزوں کی خریداری پر خرچ کرنا شروع کر دیں۔

چنانچہ فہم قرآن کا یہ بنیادی اصول پوری طرح واضح رہنا چاہیے کہ قرآن مجید کے ہر حکم اور ہر بات کو اس کے پس منظر ہی میں سمجھنا ضروری ہے۔ اس پس منظر سے ہٹ کر نتائج اخذ کرنا اور ان کو دینی احکام اور مطالبات قرار دینا فہم دین کا کوئی اچھا نمونہ نہیں ہے۔ یہ بات صرف احکام تک محدود نہیں بلکہ اس سے کہیں آگے بنیادی دینی تصورات تک جاتی ہے۔ اس کی ایک مثال قرآن میں جنت کا تذکرہ ہے۔ جنت جو آخرت میں خدا کے انعام کی جگہ ہے اس کا لفظی مطلب باغ ہے، اس کے ساتھ قرآن مجید نے جگہ جگہ بہتی ہوئی نہروں کا ذکر کیا ہے۔

دور جدید کے بہت سے لوگ قرآن مجید کی اس بات کا مضحکہ یہ کہہ کر اڑاتے ہیں کہ یہی خدا کا انعام ہے تو یہ اس دنیا میں بہت لوگوں کو حاصل ہے۔ جبکہ درحقیقت یہ خاص عربوں کے پس منظر میں بیان کی گئی کسی مقام نعمت کی تعبیر تھی کیونکہ جن صحراؤں میں وہ رہتے تھے وہاں پانی اور اس کے نتیجے میں سبزہ دونوں ہی نادر و نایاب تھے۔ چنانچہ یہی وہ چیزیں تھیں جو ان کو سب سے بڑھ کر محبوب اور ان کا آئیڈیل تھیں۔ قرآن نے اسی آئیڈیل کو جنت کی ایک تمثیل کے طور پر ان کے سامنے رکھ دیا۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ خدا کی جنت باغوں اور نہروں ہی تک محدود ہوگی۔ یہ دراصل صحرا نشین عربوں کے پس منظر میں خدا کے انعام کی جگہ کا بیان ہے۔

فہم قرآن کا یہ اصول اگر واضح ہے تو یہ بات واضح ہوجانی چاہیے کہ قرآن مجید میں لونڈی

غلاموں کا ذکر پائے جانے کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ قرآن مجید یہ چاہتا ہے کہ تا قیامت لونڈی غلام باقی رہیں۔ لونڈی غلاموں کا ذکر قرآن مجید میں ایک خاص پس منظر میں بیان ہوا ہے۔ یہی وہ پس منظر تھا جس کی بنا پر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر لونڈی غلاموں کے معاملات کو بیان کیا گیا ہے اور لونڈیوں کے مالکوں کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ وہ ان سے صنفی تعلق قائم کر سکتے ہیں۔ لیکن اس اجازت کو دیکھ کر کسی نتیجے پر پہنچے سے قبل ضروری ہے کہ اس دور کے سماجی حالات کو سمجھا جائے۔

نزول قرآن کے وقت غلامی پر مبنی سماج

جس وقت سرزمین عرب میں قرآن مجید کا نزول شروع ہوا، اس دور میں غلامی ایک وبا کی طرح پوری دنیا کی معاشرت کو اپنے شکنجے میں لیے ہوئے تھی۔ یہ سب کچھ ایک دن میں نہیں ہوا تھا۔ سماجیات کے ماہرین بتاتے ہیں کہ غلامی کا آغاز ایک اچھے جذبے سے ہوا تھا۔ پہلے پہل انسان جنگ وجدل میں شکست خوردہ قوم کے تمام افراد کو بطور سزا قتل کر دیتے تھے۔ بعد میں اسے ظلم سمجھ کر ان کی زندگی بخش دی گئی، مگر اس زندگی کے عوض فاتح اقوام کی غلامی ان کا مقدر بن گئی۔ جس طرح شکست خوردہ قوم کا سامان فاتحین میں تقسیم ہو جاتا، اسی طرح مرد وزن بھی لونڈی غلاموں کی شکل میں تقسیم کا مال ٹھہرے۔ ان کے مالک ان کی زندگی اور ان کے وجود پر ہر طرح کا تصرف رکھتے تھے۔ جس میں مفتوحہ لونڈیوں سے جنسی تعلق قائم کرنے کا حق بھی شامل تھا۔ ہزاروں برس گزرنے پر صورتحال یہ ہو چکی تھی کہ غلامی کے کوئی ظلم یا برائی ہونے کا تصور ختم ہو چکا تھا۔ دنیا بھر کے معاشرے اس کو ایک معروف چیز کے طور پر قبول کر چکے تھے۔

اس قبولیت کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ غلاموں کی موجودگی نے معاشرے کی اجتماعی کارکردگی کو کئی گنا بڑھا دیا تھا۔ لونڈی غلام گھروں، کھیتوں، صنعت وحرفت، میدان جنگ، سفر وحضر غرض ہر جگہ

زندگی کا پہیہ چلاتے تھے۔ وہ اپنے مالکوں کو سکون و سہولت ہی فراہم نہیں کرتے تھے بلکہ پورا سماجی، معاشی اور بڑی حد تک سیاسی ڈھانچہ بھی ان کی کارکردگی پر چلتا تھا۔ زندگی کا ہر شعبہ لونڈی غلاموں پر اسی طرح منحصر تھا جس طرح آج ملازمت یا سروس انڈسٹری پر باقی تمام معیشت، معاشرت اور ملکی نظام منحصر ہے۔ چنانچہ ایک طرف تو قیدیوں کی موت کے بجائے ان کی زندگی بچانے کے تصور نے غلامی کو اخلاقی جواز دیا اور دوسری طرف غلامی سے ملنے والے اجتماعی فوائد نے نہ صرف عوام و خواص بلکہ اہل دانش کو بھی اس پر آمادہ کر دیا کہ غلامی کو سماج کے لازمی حصے کے طور پر قبول کیا جائے۔ یوں زرعی دور کی دنیا رفتہ رفتہ غلامی پر مبنی سماج میں بدل گئی۔

اُس سماج میں لونڈی غلام مالکوں کے لیے وہی حیثیت رکھتے تھے جو آج ہمارے لیے بازار سے خریدی ہوئی ہماری چیزیں حیثیت رکھتی ہیں۔ ہم اپنی گاڑی کو سفر کرنے کے لیے استعمال کریں، سامان ڈھونے کے لیے یا رات کو سونے کے لیے، اس کا فیصلہ ہم کرتے ہیں اور کوئی دوسرا اس میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ لونڈیوں کے مالک دن میں ان سے کام کراتے اور رات میں ان کے ساتھ سوتے تھے۔ اُس سماج میں لونڈی بیوی ہی کی ایک شکل تھی، وہ بیوی جس کے کوئی حقوق نہیں تھے۔

غلامی پر مبنی انسانی سماج کا یہ پس منظر اگر واضح ہے تو سمجھا جا سکتا ہے کہ کیوں قرآن میں لونڈیوں کے ساتھ ان کے مالکوں کے تعلق کو زنا قرار نہیں دیا گیا بلکہ اس کو حلال سمجھا۔ مگر اس کے بعد ایک شخص سوال کر سکتا ہے اور لوگ کرتے ہیں کہ اسلام ایک حکم جاری کرتا اور غلامی کو ختم کر دیتا تو یہ مسئلہ بھی ختم ہو جاتا تھا۔ یہ حل زبانی طور پر جتنا سادہ ہے، عملی طور پر اُس دور میں اتنا ہی ناقابل عمل تھا۔ اس کی تفصیل ہم اگلی قسط میں کریں گے۔

[جاری ہے]

سوال و جواب

ابو یحییٰ

دوسروں کا فیصلہ کرنا

سوال: السلام علیکم۔

امید ہے آپ خیریت سے ہونگے۔ایک سوال عرض تھا آپ کی خدمت میں۔

آج سوشل میڈیا پر ایک خبر پڑھی جس میں کراچی کی ایک محترمہ نے خودکشی کرلی، مرحومہ کسی گدی نشین کی بیٹی جبکہ پیشے سے ڈاکٹر تھی، خودکشی کی خبر پوسٹ کرنے والے نے مرحومہ کی دو تصاویر بھی لگائی ہوئی تھیں جس میں مرحومہ نے ماڈرن ملبوسات پہنے ہوئے تھے، جیسے بغیر آستین شدہ اور کھلے بال میک اپ کے ساتھ وغیرہ۔ کمینٹس دیکھے تو کئی لوگوں نے غصے سے بھرے کمینٹس کیے ہوئے تھے جیسے، کپڑوں سے اندازہ ہو رہا ہے طرز زندگی کیسی ہوگی، جہنم میں جائے گی، ایکٹریسز کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے، خودکشی کرنے والوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہونی چاہیے تاکہ اور لوگ سیکھیں، طنزیہ لہجے میں کہ 'یہ گدی نشین کی بیٹی ہے' اور اسی طرح کے دیگر کلمات۔

آپ سے سوال ہے کہ جب ایک مسلمان خودکشی کرتا ہے تو اس کے متعلق دوسرے مسلمانوں کا رویہ کیسا ہونا چاہیے اور خاص کر جب خودکشی کرنے والا ظاہری طور پر کچھ حد تک مغربی کلچر اپنی زندگی میں ایڈاپٹ کیے ہوئے ہو تو؟

جواب:

محترم بھائی ارسلان شیخ صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ہمارے معاشرے کا یہ عظیم المیہ ہے کہ ہم کسی خرابی یا غلطی تک خود کو محدود کرنے کے بجائے انسانوں کا فیصلہ کرنے لگتے ہیں۔ میرے بھائی! انسانوں کا فیصلہ کرنے کے لیے ظاہر و باطن،

حاضر و غائب کی اور پیش منظر و پس منظر کی اتنی زیادہ چیزوں کا علم ہونا ضروری ہے جو سوائے خدائے عالم الغیب کے کسی کو نہیں ہوسکتا۔ ایک شخص نے ایک کام کیا تو کیوں کیا؟ اس کے حالات کیا تھے؟ وہ کس صورتحال سے گزر رہا تھا؟ اس کی باڈی کیمسٹری کیا تھی؟ اس کی تربیت اور وراثت کیا تھی؟ اس کا علم اور فہم کیا تھا؟ اس کی نیت اور ارادہ کیا تھا؟ ان جیسی ہزار چیزیں ہوتی ہیں جو کسی فرد کے عمل، رویے، خیالات اور عادات کے پیچھے کارفرما ہوتی ہیں۔ قیامت کے دن جب ہر شخص اللہ کے سامنے پیش ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی عادل اور کریم ہستی ان میں سے ایک ایک چیز کی رعایت اور لحاظ کر کے ہر فرد کے ساتھ جدا معاملہ کرے گی۔ ہوسکتا ہے کہ اس روز بہت نیک نظر آنے والے لوگ خدا کی میزان عدل میں مجرم ثابت ہوں اور بہت سے لوگ جنھیں ہم گناہ گار سمجھتے ہیں، اس روز سرخرو ہو جائیں۔

اس لیے میری درخواست یہ ہے کہ لوگوں کا فیصلہ کرنے کے بجائے ہمیں اِس معاملے کو اُس علیم و خبیر ہستی کے حوالے کر دینا چاہیے جو ظاہر و باطن کی ہر چیز کو جانتا ہے۔ ہمیں کوئی تنقید کرنی بھی ہے تو خود کو برائی تک محدود رکھیں۔ ہم خودکشی کو ہر حال میں برا کہیں گے اور اس کو گناہ قرار دیں گے۔ لیکن کسی نے یہ کام کر لیا تو اس کا فیصلہ ہم نہیں بلکہ خدا کرے گا۔ ہمیں اس حقیقت کو ماننا ہوگا۔ اگر کوئی خاتون یا مرد ہمارے لحاظ سے اسلام کے کسی معیار پر پورا نہیں اترتا تو ہمیں اس شخص کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ ہمیں اس کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ اگر وہ ہم سے قریب ہو تو اسے سمجھانا چاہیے۔ اس سے آگے بڑھ کر خدائی فوجدار بننے کی کوشش کرنا خود ہمیں جوابدہی کے مقام پر لے آئے گا۔ یہ بات ہر شخص اور خاص کر آج کے مذہبی لوگوں کو سب سے بڑھ کر سمجھنے کی ضرورت ہے۔

بندہ عاجز

ابو یحییٰ

شاہد صدیقی

اکیسویں صدی اور تربیت اساتذہ کا چیلنج

اکیسویں صدی کا چیلنج ہمارے سامنے ہے جس میں تعلیم کا کردار مرکزی ہے اور ترقی کے سفر میں وہی ممالک سبقت لیں گے جن کے افراد تعلیم یافتہ، ہنرمند اور اکیسویں صدی کی مہارتوں سے لیس ہوں گے۔ یہ سخت مقابلے کی صدی ہے جس میں اوسط درجے کے افراد کیلئے جگہ نہیں ہوگی۔ مسابقت کی اس صدی میں صرف وہی کامیاب ہوں گے جو تعلیم، تخلیق اور تنقیدی شعور رکھتے ہوں گے۔ جو نہ صرف جدید علوم سے آگاہ ہوں گے بلکہ اپنی زندگیوں اور معاشرے میں ان علوم کے اطلاق کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں گے۔ یوں اب مختلف ممالک تعلیم اور تعلیمی اصلاحات کو مرکز توجہ بنائے ہوئے ہیں اور تعلیم کیلئے فنڈز میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔

تعلیمی بہتری کے لیے جہاں تعلیمی اداروں کی عمارات نصاب، درسی کتب، امتحانی نظام اور تعلیمی اداروں کے ماحول میں بہتری کی ضرورت ہے تاکہ طلبا کو سازگار ماحول (Enabling Environment) دیا جا سکے، وہیں استاد کی بنیادی اہمیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تربیتِ اساتذہ کے پروگرامز کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ اگر ہم تعلیم میں معیاری تبدیلی چاہتے ہیں تو تعلیمی عمل میں استاد کے کلیدی کردار کو تسلیم کرنا ہوگا اور تربیتِ اساتذہ کے پروگرامز میں اکیسویں صدی کے تعلیمی تقاضوں کے مطابق بہتری لانا ہوگی۔ اس وقت کئی شہروں میں تربیتِ اساتذہ کے متعدد پروگرام چل رہے ہیں۔

تربیتِ اساتذہ کے ان مراکز میں ہر سال بلا مبالغہ ہزاروں لوگ ڈگریاں لے رہے ہیں لیکن کلاس روم کے اندر تعلیمی عمل میں اس تربیت کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ اس کی ایک بڑی وجہ تربیتِ اساتذہ کے بیشتر اداروں کا دقیانوسی نصاب اور فرسودہ طریقہ تدریس ہے جس کا محور و مرکز اساتذہ کو مٹھی بھر تدریسی طریقے سکھانا ہے جن کی بدولت وہ کلاس روم میں وقت گزار سکیں۔

دوسرے لفظوں میں ہمارے تربیتِ اساتذہ کے بیشتر پروگرام Method کے گرد گھومتے ہیں اور اس Method کا اوّل و آخر مقصد ''علم کی ترسیل (Transmission) ہے۔ تعلیم کا یہ پیراڈائم (Paradigm) دنیا کے ترقی یافتہ ممالک سے متروک ہو چکا ہے کیونکہ اس کی عمارت جن تین مفروضوں پر استوار تھی وہ مفروضے جدید تحقیق نے غلط ثابت کر دیے ہیں۔ پہلا مفروضہ یہ تھا کہ طلبا ایک سادہ تختی کی طرح ہوتے ہیں جس پر استاد کچھ بھی لکھ سکتا ہے۔ دورِ جدید کی تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ طلبا نہ تو سادہ تختی ہوتے ہیں اور نہ ہی خالی برتن کہ اس میں استاد اپنا علم انڈیل دے بلکہ بچے انتہائی کم عمری میں اپنے الگ خیالات، تصورات اور مشاہدات کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کی شخصیت کی بڑی حد تک تکمیل ابتدائی سالوں میں ہو جاتی ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق تو پیدائش سے پیشتر بھی بچے کا ذہن خالی تختی نہیں ہوتا بلکہ اس پر بھی نقوش (Imprints) ہوتے ہیں۔ ٹرانسمیشن پیراڈائم کے دوسرے مفروضے کے مطابق استاد سب علوم جانتا ہے اور وہ علم حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ یہ مفروضہ بھی غیر منطقی ہے کوئی شخص بھی سارے علم کی واقفیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور دورِ حاضر میں تو طلبا کو استاد کے علاوہ علم کے بہت سے دیگر ذرائع بھی میسر ہیں۔ ٹرانسمیشن پیراڈائم کے تیسرے مفروضے کے مطابق علم ایک جامد چیز ہے۔ یوں ان مفروضوں کی روشنی میں استاد کا واحد مقصد اس جامد علم کو طلبا کے خالی ذہنوں میں منتقل کرنا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک کے بیشتر سرکاری سکولوں میں ابھی تک تدریس کا یہی طریقہ رائج ہے۔ امتحانی نظام اسی طریقہ کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور امتحانی پرچوں میں ایسے سوالات دیے جاتے ہیں جو محض یادداشت کا امتحان ہوتے ہیں اور طلبا کو سوچنے، سمجھنے اور تجزیہ کرنے کا موقع بھی نہیں دیا جاتا ہے۔ امتحان میں اچھے نمبروں کا حصول اب محض رٹے پر ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے تربیتِ اساتذہ کے بیشتر پروگرام ایسے اساتذہ تیار کرنے میں ناکام

رہے ہیں جو تخلیق، جدتِ فکر اور تنقیدی شعور سے مالا مال ہوں اور جو سکولوں میں رائج ٹرانسمشن پیراڈائم یا طریقہ تدریس میں کوئی تبدیلی لاسکیں۔ شعبہ تعلیم سے چار دہائیوں کی وابستگی کے دوران میرا مشاہدہ تھا کہ ان پروگرامز کے دوران شرکا میں کوئی جوہری اور دیرپا تبدیلی نہیں آتی۔ یوں اگر تربیت یافتہ اور غیر تربیت یافتہ اساتذہ کی کلاس میں کارکردگی کا موازنہ کیا جائے تو ہمیں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا۔ یعنی ہمارے ہاں تربیتِ اساتذہ کے پروگراموں کو موثر بنانے کی ضرورت ہے۔ یوں لگتا ہے تربیت اساتذہ کے پروگرام بنانے والوں کے نزدیک پیشہ ورانہ تربیت کا واحد مقصد پروگرام کے شرکا کو چند تدریسی مہارتوں سے روشناس کرانا ہے وہ بھی نام کی حد تک۔ تربیتِ اساتذہ کے بیشتر پروگراموں میں Teaching Practice محض اشک شوئی ہوتی ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے تربیتِ اساتذہ کے پورے نظام کو ازسرِ نو دیکھا جائے۔ اس کیلئے اہم بات یہ ہے کہ پیشہ ورانہ تربیت کے اجتماعی تصور کو سامنے رکھا جائے جس کے مطابق تدریسی مہارتوں کے ساتھ ساتھ علم اور رویے کی سطحوں پر بھی تبدیلی ضروری ہے۔ چونکہ علم اور رویے کی سطحی تبدیلی میں نسبتاً زیادہ وقت درکار ہوتا ہے اور تبدیلی کا مظاہرہ بھی نسبتاً مشکل ہے؛ چنانچہ تربیتِ اساتذہ کے بیشتر پروگراموں کے پروفیشنل ڈویلپمنٹ کے ان دو اہم پہلوؤں پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی۔

وقت آ گیا ہے کہ ہنگامی بنیادوں پر تربیتِ اساتذہ کے پروگراموں میں جوہری تبدیلیاں لائی جائیں۔ اکیسویں صدی میں تین طرح کی مہارتیں اہم ہیں جن میں Life skills, Literacy skills, Learning skills شامل ہیں۔ اکیسویں صدی کا سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ تبدیلی کی رفتار بہت تیز ہوگئی ہے۔ وہ تبدیلی جو ماضی میں برسوں میں رونما ہوتی تھی اب مہینوں اور ہفتوں کی بات ہے۔ باہر کی دنیا جس تیزی سے تبدیل ہورہی ہے اسی رفتار سے

ہمیں اس کی تفہیم کرنا ہوگی۔ اپنے نصاب کو جدید تقاضوں اور ضروریات کے مطابق ڈھالنا ہوگا۔ ان مہارتوں پر زور دینا ہوگا جو زندگی میں طلبا کی مددگار ہوں۔ تعلیمی عمل کو روایتی کلاس روم سے نکال کر اس کا تعلق جدید میڈیا کے ساتھ جوڑنا ہوگا۔ کلاس روم میں ایسا ماحول پیدا کرنا ہوگا کہ طلبا نہ صرف سوال کر سکیں بلکہ انہیں اختلافِ رائے کا حق بھی حاصل ہو۔ اکیسویں صدی کے چیلنجز کے مقابلے کیلئے جہاں کلاس رومز نصاب، درسی کتب، نظامِ امتحان میں بنیادی تبدیلیاں درکار ہیں وہیں ایسے اساتذہ کی بھی ضرورت ہے جو اس سارے عمل کو ممکن بنا سکیں۔ اساتذہ کے تربیتی پروگرامز کو یکسر بدلنا ہوگا جو اساتذہ میں کشادگی فکر کے راستے کھولنے کے بجائے تنگ نظری کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ ہمیں تربیتِ اساتذہ میں اس امر کو یقینی بنانا ہوگا کہ تبدیلی کا عمل ہمہ جہت ہو جس میں اساتذہ کے تعلیمی تصورات میں تبدیلی (Conceptual Change) ان کی تدریسی مہارتوں میں تبدیلی (Pedagogical Change) اور ان کے رویے میں تبدیلی (Attitudinal Change) پر بیک وقت کام کیا جائے۔ اسی طرح تربیتِ اساتذہ کے پروگرامز میں لٹریسی سکلز، لرننگ سکلز اور لائف سکلز کے ماڈیولز (Modules) ہوں۔ اسی طرح Reflective Teaching، Critical Thinking اور Teaching Technology کے حوالے سے الگ الگ ماڈیولز ہوں۔ ان ماڈیولز کو Process سے اس طرح مربوط کیا جائے کہ پروگرامز میں تھیوری اور پریکٹس کا موثر امتزاج ہو اور یوں اساتذہ کو Reflection in action کا عملی موقع مل سکے۔ امید ہے ہائر ایجوکیشن کا قائم کردہ ادارہ NAHE تربیتِ اساتذہ کے پروگرامز کی اہمیت کا اندازہ کرتے ہوئے انہیں جدید بنیادوں پر استوار کرنے کیلئے عملی اقدامات کرے گا۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد عقیل

خدا کا ذکر

خدا کا ذکر اور اس کی یاد کیا چیز ہے، اس بارے میں دو مکاتب فکر ہیں۔ ایک کا کہنا ہے کہ چند مخصوص وظائف کی زبانی تکرار ہی خدا کا ذکر ہے۔ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ خدا کے ذکر سے مراد خدا کو ہر وقت اس طرح یاد رکھنا ہے کہ اس یاد کے سوتے قلب سے پھوٹنے لگیں۔ ہمارے نزدیک ذکر کا سب سے اعلیٰ نمونہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعاؤں کی شکل میں ہمیں سکھایا ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ ہم ان دعاؤں اور اذکار کو سمجھ کر پڑھیں۔ اسی طرح زبان سے خدا کی حمد و ثنا کا اثر دل پر بھی ہوتا ہے۔ اگر خدا کی یاد سے اس کا قرب، گناہوں سے دوری، عبادات میں حلاوت اور اخلاق میں مٹھاس حاصل ہوتی ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ذکر جہری ہے یا سری۔

جب کوئی بندہ خدا کا ذکر کرتا اور اسے ہمہ وقت اپنی یاد میں شامل رکھتا ہے تو خدا بھی اسے اپنی محفلوں میں فراموش نہیں کرتا۔ پھر خدا اس کے دنیاوی معاملات کو بہتر بناتا، آخرت کی منازل آسان کرتا اور اس کے ہر معاملے کو اپنے دستِ شفقت سے طے کرتا ہے۔ پھر اس کی عنایت، اس کا کرم، اس کا فضل، اس کا رزق اور اس کی شفقت اس بندۂ مومن کی زندگی کا احاطہ کر لیتی ہے۔

بصورتِ دیگر اگر کوئی خدا کو یاد کرنا چھوڑ دے تو خدا بھی اسے بھلا کر چھوڑ دیتا ہے اور اس کے معاملات سے لاتعلق ہو جاتا ہے۔ خدا کی اس لاتعلقی کا مطلب خدا کی بے پناہ رحمت کا انقطاع ہے۔ اور اس انقطاع کا نتیجہ رزق میں کمی اور نفسیاتی عوارض، زمینی آفات اور آسمانی بلاؤں کا نزول ہے۔ اس سے مراد دنیا کی تباہی ہے خواہ بظاہر تمام ساز و سامان دنیا میں ہی کیوں نہ جمع ہو گیا ہو۔ اس کا مطلب آخرت کی رسوائی ہے خواہ ساری دنیا کا مال و دولت بھی فدیہ میں دے دیا جائے۔

شفقت علی

بچے، سوشل میڈیا اور تربیت

بچوں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے کچھ باتیں جو ہم عموماً سنتے ہیں درج ذیل ہیں: آپ بچے کو جو بنانا چاہتے ہیں خود بھی وہی بنیں، بچے کو اچھا ماحول دیں کیونکہ بچے جو دیکھتے ہیں وہی کرتے ہیں، ماں کی گود بچے کی پہلی تربیت گاہ ہوتی ہے، باپ اپنے بچے کا آئیڈیل یا ہیرو ہوتا ہے۔ یہ سبھی باتیں حقائق ہیں جن سے انکار ممکن نہیں، البتہ موجودہ دور کے حوالے سے ایک اور حقیقت بھی ہے جس سے مفر نہیں، اور وہ یہ ہے کہ بچوں کی تربیت میں والدین اور ماحول سے زیادہ سوشل میڈیا (فیس بُک، وَہاٹس اَیپ، یُو ٹیوب وغیرہ) اثر انداز ہو رہا ہے۔

سوشل میڈیا دو دھاری تلوار ہے یعنی اس کے فوائد بہت ہیں تو نقصانات بھی بہت۔ بات کریں فوائد کی تو دورِ حاضر میں سوشل میڈیا سیکھنے کا آسان ترین، سستا ترین اور سب سے بڑا ذریعہ بن چکا ہے۔ ہر شعبے کی معلومات ہمارے ایک کلِک کے فاصلے پر دستیاب ہیں۔ تاہم اِس کا حد سے زیادہ یا بے مقصد استعمال نہ صرف وقت کا ضیاع ہے بلکہ جسم و ذہن پر بھی خطرناک اثرات ڈالتا ہے۔ اِس ضمن میں والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کی ایسی ذہنی تربیت کریں کہ وہ سوشل میڈیا کا مثبت استعمال کریں اور اس کے منفی اثرات سے بچیں۔

والدین ہر لمحہ اپنے بچوں کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ پس یہ تربیت ہی ہے جو انہیں سوشل میڈیا کے استعمال میں اچھائی کی طرف راغب کر سکتی ہے اور برائی سے پرہیز پر آمادہ کر سکتی ہے۔ ذیل میں کچھ ہدایات دی جا رہی ہیں جو اس تربیتی عمل میں معاون ثابت ہوں گی:

☆ ابتدائی عمر میں ہی بچوں کے ذہن میں خیر و شر کا شعور اُجاگر کر دیا جائے۔

☆ بچوں سے اکثر گفتگو کرتے رہیں اور انہیں اچھائی پر اُبھارتے رہیں۔

☆ بچوں کو بتائیں کہ میڈیا کا منفی استعمال برائی ہے اور برائی خدا کو سخت ناپسند ہے۔

☆ بچوں کو سمجھائیں کہ ہمارا وقت، انرجی، سوشل میڈیا اور اس کے آلات سبھی ہماری آزمائش کے پرچے ہیں جن کے استعمال کا بروزِ قیامت ہم سے حساب ہوگا۔

☆ بچوں کے دل میں خدا کا احساس اور بااعتبارِ صفات ہر جگہ موجودگی کا شعور پیدا کیا جائے۔

☆ بچوں کو سمجھایا جائے کہ کسی کی موجودگی میں آپ سوشل میڈیا کا منفی استعمال نہیں کرپاتے پس خدا جو ہر وقت آپ کے ساتھ ہے تو آپ کبھی بھی منفی استعمال نہ کریں۔

☆ بچوں پر کڑی نظر رکھیں اور اُنہیں بتائے بغیر اُن کی مشغولیات کا جائزہ لیتے رہیں۔

☆ بچوں کو سوشل میڈیا کے نامناسب اور بے دریغ استعمال سے روکیں اور انہیں بتائیں کہ اِس سے اُن کی جسمانی وذہنی حالت متاثر ہوسکتی ہے۔

☆ کوشش کریں کہ بچے اپنا فارغ وقت سوشل میڈیا سے زیادہ آپ کے ساتھ بیٹھنے، باتیں کرنے اور اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلنے میں گزاریں۔

☆ خود بھی میڈیا کا مثبت استعمال کریں اور بچوں کو بھی مثبت استعمال سکھائیں۔

☆ بچوں کے ذہنی رجحان کے مطابق انہیں کسی ایک میدان کی طرف راغب کردیا جائے تاکہ وہ جب بھی میڈیا کی طرف لپکیں۔ کچھ مثبت اور مفید سرگرمیوں میں ہی وقت گزاریں۔

☆ سب سے آخر میں سب سے اہم بات، اپنے بچوں کی اچھی تربیت کے لیے اپنی کوشش کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ضرور رہیں کیونکہ اُس کے اِذن کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں۔ اللہ سے اپنے بچوں کی بھلائی اور راہِ راست پر رہنے کی ہمیشہ دعا کرتے رہیں۔

بنت فاطمہ

مجھے مار دو

انسانی وجود پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان ایک بے حد حساس تخلیق ہے جس کی ہستی کو جذبات کی آنچ سے تشکیل دیا گیا۔یہی وجہ ہے کہ انسانی زندگی میں کبھی خوشی کی روشنی جگمگاتی نظر آتی ہے تو کبھی غم کے سائے اس روشنی کو ماند کر دیتے ہیں ۔لیکن نہ تو خوشی کی روشنی ہمیشہ رہتی ہے نہ غم کا سایہ۔ یہ اتار چڑھاؤ زندگی کا حصہ ہے۔انسان کبھی خوش اور پر امید ہوتا ہے تو کبھی افسردہ اور مایوس۔ یہ کوئی مسئلہ ہے نہ بیماری۔

لیکن مسئلہ تب پیدا ہوتا ہے جب یہ افسردگی طول پکڑ لیتی ہے اور مایوسی کی صورت انسان کو جکڑ لیتی ہے اور آخر کار اسے ایک مایوس مریض بنا دیتی ہے۔

نفسیات کی اصطلاح میں اس کیفیت کو ڈپریشن(Depression) کہا جاتا ہے۔موجودہ دور میں یہ مرض بہت عام ہو چکا ہے۔

ڈپریشن کی بہت سی وجوہات ہیں جن میں وراثت ،سماجی حالات ،صدمہ،طویل بیماری و بے کاری، ذہنی و جسمانی طور پر غیر فعال رہنا اور ماحول کے اثرات شامل ہیں ۔

آج کل یہ مرض نہ صرف شدت اختیار کر گیا ہے بلکہ بڑوں کے ساتھ ساتھ اب معصوم بچے بھی اس مرض کا شکار ہو رہے ہیں ۔بچوں کا اس مرض کا شکار ہونے کا موجودہ حالات میں ایک بڑا سبب عالمی سطح پر پھیلنے والی وبا کرونا بھی ہے۔

کرونا کی وبا نے جہاں انسان کی جسمانی صحت کو متاثر کیا ہے وہاں اس سے پیدا ہونے والے حالات نے ذہنی صحت کو بھی متاثر کیا خصوصاً بچوں کو جو گھروں میں فارغ رہ کر بوریت اور دیگر نفسیاتی مسائل کا شکار ہوئے ۔اور جو بچے پہلے سے کچھ نفسیاتی مسائل کا شکار تھے ان بچوں

کے مسائل اس دورانیے میں واضح طور پر ظاہر ہو گئے۔

مجھے ایک دوست کی چھے سالہ بچی کی زبان سے ادا ہونے والے ''مجھے ماردو'' کے الفاظ نے تشویش میں مبتلا کردیا۔

تجزیہ کرنے پر علم ہوا کہ بچی کرونا کے باعث اسکول بند ہونے کے دورانیے میں نفسیاتی مسائل کا شکار ہونا شروع ہوئی۔ جوکہ اب اس نہج پر پہنچ گئے کہ اتنی کم عمر بچی ڈپریشن کا شکار ہوگئی۔

کم قسمتی سے ہمارے ہاں والدین بچوں کی مادی ضروریات تو قریباً سبھی پوری کرتے ہیں لیکن ان کے جذباتی ونفسیاتی مسائل سے عدم توجہی کا رویہ اپناتے ہیں۔

یاد رہے کہ والدین کو بچوں کے مسائل سے آگاہی بھی ضروری ہے ورنہ ہر گھر میں کوئی ایک بچہ یہی جملہ بولتا دکھائی دے گا کہ ''مجھے ماردو''۔

''مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو، اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے۔ جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہ ظالم ہیں۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو۔ اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو، تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔'' (الحجرات 49:12-10)

عامر گزدر

اسلامی شریعت میں رفع حرج اور آسانی (4)

جمع بین الصلاتین پہلا سوال

سوال: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے سفروں میں ظہر و عصر اور مغرب و عشا کی نمازوں کو جمع کرنا تو روایتوں سے ثابت ہے، لیکن یہ بات کہ آپ نے یہ رعایت قصر نماز کی قرآنی رخصت سے مستنبط فرمائی ہے، اِس کا ماخذ اور دلیل کیا ہے؟ دینی علم کی روایت میں یہ رعایت کس صاحب علم نے بیان کی ہے؟ قصر نماز کی رعایت اوپر جس آیت میں بیان ہوئی ہے، اُس میں تو بظاہر اوقات کی تخفیف اور نمازوں کو جمع کرنے کی رخصت کا کوئی اشارہ تک معلوم نہیں ہوتا۔

جواب: قرآن مجید کی روشنی میں یہ علمی نکتہ راقم الحروف کے علم کی حد تک علمِ دین کی پوری روایت میں پہلی مرتبہ جس صاحب علم نے بجا طور پر دریافت کیا ہے، وہ استاذ مکرم جناب جاوید احمد غامدی صاحب ہیں۔ اُن کی اِس غیر معمولی علمی دریافت کی ہم یہاں قارئین کے لیے ذرا توضیح کریں گے، تاکہ اوپر بیان کیے گئے سوال کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ سیاق کلام میں اللہ تعالیٰ نے پہلے نماز کو قصر کرنے کی رخصت دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ تم لوگ سفر میں نکلو تو تم پر کوئی حرج نہیں کہ نماز میں کمی کر لو (النساء 4: 101)۔ پھر آگے فرمایا کہ پھر جب تم اطمینان میں ہو جاؤ تو پوری نماز پڑھو (النساء 4: 103)۔ اِس کے متصل بعد اِسی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: نماز مسلمانوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے (النساء 4: 103)۔ اِس آخری ارشاد سے ظاہر ہے کہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اِس سیاق میں نماز کو قصر کرنے کی اجازت بیان ہو رہی تھی تو یک بیک یہاں نماز کے وقت کی بات کیسے اور کیوں آئی ہے؟ اِن دونوں باتوں کا، یعنی: پھر جب تم اطمینان میں ہو جاؤ تو پوری نماز

پڑھو، نماز مسلمانوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے، باہمی ربط کیا ہے؟ آخری بات بظاہر پچھلے کلام سے معنوی طور پر غیر متعلق اور بالکل بے ربط محسوس ہوتی ہے۔

چنانچہ اِن دونوں باتوں کے مابین ایک مقدر جملے کا حذف ہے جس کو استاذ محترم غامدی صاحب نے کھول کر ربط کلام کو واضح کر دیا ہے۔ بیانِ محذوف کے بعد دیکھیے، پوری بات کس طرح واضح اور مربوط ہو جاتی ہے: لیکن جب اطمینان میں ہو جاؤ تو اہتمام کے ساتھ پوری نماز پڑھو (اور اِس کے لیے جو وقت مقرر ہے، اُس کی پابندی کرو)، اِس لیے کہ نماز مسلمانوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔ عربیت کی رو سے اِس حذف کو کھول دیا جائے تو قرآن مجید کا یہ اشارہ آپ سے آپ واضح ہو جاتا ہے کہ قصر کی اجازت کے بعد یہ بھی ممکن ہے کہ لوگ نماز کی رکعتوں کے ساتھ اُس کے اوقات میں بھی کمی کر لیں، لیکن یہ یاد رہے کہ نماز مسلمانوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے، اِس لیے جب اطمینان میں ہو جاؤ تو جس طرح پوری نماز پڑھو گے، اسی طرح اِس کے مقرر کردہ اوقات کی بھی مکمل رعایت کرنا ہو گی۔

استاذ گرامی لکھتے ہیں: اِس استنباط کا اشارہ خود قرآن میں موجود ہے۔ سورۂ نساء میں یہ حکم جس آیت پر ختم ہوا ہے، اُس میں إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا کے الفاظ عربیت کی رو سے تقاضا کرتے ہیں کہ اِن سے پہلے اور وقت کی پابندی کرو یا اِس طرح کا کوئی جملہ مقدر سمجھا جائے۔ اِس سے یہ بات آپ سے آپ واضح ہوتی ہے کہ قصر کی اجازت کے بعد یہ بھی ممکن ہے کہ لوگ نماز کی رکعتوں کے ساتھ اُس کے اوقات میں بھی کمی کر لیں۔ چنانچہ ہدایت کی گئی کہ جب اطمینان میں ہو جاؤ تو پوری نماز پڑھو اور اِس کے لیے مقرر کردہ وقت کی پابندی کرو، اِس لیے کہ نماز مسلمانوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے (میزان، ص 312)۔

اِس دقیق علمی دریافت سے نہ صرف یہ کہ کلام الٰہی کا معنوی ربط واضح ہوا ہے، بلکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نمازوں کو جمع کرنے کے عمل کی اساس بھی خود قرآن مجید ہی میں متعین ہوگئی ہے مزید یہ کہ اِس سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا فہمِ قرآن کس عالی مقام اور درجے کا تھا۔ قرآن مجید کے اشارات کو آپ نے کس طرح مسلمانوں کے لیے اپنے علم و عمل سے واضح فرمایا اور دین کے احکام کی تعمیل میں اُن کی مشکلات کو رفع فرمایا ہے۔

جمع بین الصلاتین دوسرا سوال

سوال: یہاں ضمناً ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ اِس کی کیا وجہ ہے کہ قرآن مجید کے اشارے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازوں کو جمع کرنے کی رخصت کا استنباط کر کے عملاً صرف ظہر و عصر یا مغرب و عشا ہی کو باہم جمع کر کے پڑھا ہے؟ فجر کو ظہر کے ساتھ یا عصر کو مغرب کے ساتھ کیوں جمع نہیں فرمایا؟

جواب: اِس کی وجہ اگر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ شب و روز کی پانچ نمازوں کے اوقات اپنی نوعیت کے اعتبار سے اصلاً تین اوقات ہیں۔ یعنی یہ پانچ اوقات دراصل شب و روز کے تین بڑے اوقات سے لیے گئے ہیں، جن کی طرف قرآن مجید میں اشارہ موجود ہے۔ ارشاد فرمایا کہ: أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا۔ سورج ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز کا اہتمام رکھو اور خاص کر فجر کی قراءت کا، اِس لیے کہ فجر کی قراءت روبرو ہوتی ہے (بنی اسرائیل: 78)۔

اِن تین اوقات کو دقتِ نظر سے دیکھا جائے تو اِس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک وہ وقت ہے جس میں سورج اور اُس کی روشنی آسمان پر موجود رہتی ہے۔ یعنی طلوعِ آفتاب سے غروبِ

آفتاب تک کا وقت۔ اِس پورے وقت کے اندر سورج کے ڈھلنے کے اوقات میں ظہر وعصر کے وقت آتے ہیں۔ تاہم اپنی اصل نوعیت کے اعتبار سے یہ پورا دورانیہ ایک ہی ہے، یعنی سورج کی موجودگی اور دن کا وقت۔ دوسرا وہ وقت ہے جو سورج کی عدم موجودگی اور تاریکی کا وقت ہے۔ یہ غروبِ آفتاب کے بعد سے طلوعِ فجر سے پہلے تک کا وقت ہے۔ اِس پورے دورانیے میں مغرب وعشا کی نمازوں کے اوقات معلوم ہیں۔ اِنھی دونوں وقتوں کو، جن میں اِن چاروں نمازوں کے اوقات آتے ہیں، قرآن مجید نے لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ سورج ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کے اندھیرے تک کے الفاظ سے بیان کیا ہے۔ تیسرا تنہا نمازِ فجر کا وقت ہے، جو طلوعِ فجر سے شروع ہوتا اور طلوعِ آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ اِس اعتبار سے دوسرے دونوں اوقات سے مختلف اور منفرد ہے کہ اِس میں سورج موجود ہوتا ہے، نہ رات کی تاریکی ہوتی ہے۔

چنانچہ نمازوں کے اِن اوقات کو اِس تناظر میں سمجھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ ظہر وعصر میں جمع کی اجازت دراصل اِس بنا پر دی گئی ہے کہ نوعیت کے اعتبار سے اِن دونوں نمازوں کے اوقات درحقیقت ایک ہی ہیں۔ اور وہ دُلُوکِ الشَّمْسِ، یعنی سورج کے ڈھلنے کے اوقات ہیں۔ اِسی طرح مغرب وعشا کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے کی رخصت اِس بنا پر دی گئی ہے کہ اصلاً اِن کے اوقات بھی ایک ہی ہیں اور وہ غَسَقِ الَّیْلِ، یعنی سورج کی عدم موجودگی اور رات کی تاریکی کے اوقات ہیں۔ اِس سے واضح ہے کہ عصر ومغرب کی نمازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں جمع نہیں فرمایا۔

یہ صرف نمازِ فجر کا وقت ہے جو باقی چاروں نمازوں کے اوقات سے اصلاً ایک منفرد وقت ہے، جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل کی مذکورہ بالا آیت میں بھی اِس کا ذکر الگ سے آیا ہے۔ یہی وجہ

ہے کہ فجر کی نماز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نماز کے ساتھ جمع نہیں فرمایا ہے۔ مختصراً یہ کہ قرآن مجید ہی کی اساس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کے مواقع پر صرف اُنھی دو دو نمازوں کو جمع کر لینے کی رعایت دی ہے جن کے اوقات اصلاً ایک ہی نوعیت کے وقت میں آتے ہیں۔

حج میں نمازوں کا قصر و جمع

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازوں کے قصر و جمع کی اِسی رعایت کو حجاج بیت اللہ کے لیے مشاعر مقدسہ میں بطور سنت قائم فرمایا ہے، جس کے مطابق مشاعر مقدسہ میں موجود حجاج مقیم ہوں یا مسافر، وہ منیٰ میں قصر اور عرفات و مزدلفہ میں قصر اور جمع، دونوں کریں گے۔ اِس کی وجہ ظاہر ہے کہ جمع و قصر کی قرآنی رخصت کی علت کا اشتراک ہی ہے، اِس لیے کہ حج کے موقع پر مشاعر مقدسہ میں نہ صرف یہ کہ دنیا بھر کے حجاج کے اجتماع و ازدحام کی بنا پر ہمیشہ سفر ہی کی مانند آپا دھاپی کی کیفیت برپا رہتی ہے، بلکہ اِس کے مناسک کی ادائیگی میں ابلیس کے خلاف جنگ کو بھی علامتی اعمال میں ممثل کیا جاتا ہے۔

[جاری ہے]

حضرت لقمان بن شبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان والوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کھانے، محبت کرنے اور شفقت و مہربانی کرنے میں تم جسم انسانی کی طرح دیکھو گے کہ جب اس کے کسی عضو کو بھی تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے باقی سارے اعضاء بھی بخار اور بے خوابی میں اس کے شریک حال ہو جاتے ہیں۔ (بخاری، مسلم)

ابو یحییٰ

مضامین قرآن (73)

اخلاقی طور پر مطلوب و غیر مطلوب رویے: تکبر اور حسد

تکبر یا اپنی بڑائی کا احساس انسانوں کے لیے ایک انتہائی غیر مطلوب رویہ ہے، مگر انسانوں کی دنیا میں یہ رویہ بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ تکبر میں مبتلا انسان خالق اور مخلوق دونوں کے معاملے میں انتہائی غلط رویہ اختیار کرتا ہے۔ خالق کے مقابلے میں یہ کفر اور انسانوں کے معاملے میں یہ ظلم، سرکشی اور فساد کو جنم دیتا ہے۔ ان میں سے ہر چیز انسان کو جہنم میں لے جانے کا سبب بنتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ قرآن مجید تکبر کی سخت ترین مذمت سے بھرا ہوا ہے۔

تکبر صرف خدا کو زیبا ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی صفات العلی، العظیم، الاعلی، الکبیر، المتعال اور المتکبر کے اسما کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ یہ تمام صفات انسانوں کو یہ حقیقت یاد دلاتی ہیں کہ اس کائنات کا خالق و مالک اپنی ذات میں بلند، بے پناہ عظمت والا، سب سے بلند و اعلی، سب سے بڑا، سب سے برتر اور ہر طرح کی بڑائی کا مالک ہے۔ یہ محض قرآن مجید کا بیان ہی نہیں ہے بلکہ جس کائنات میں انسان کھڑا ہوا ہے وہ اپنے خالق کا اعتراف اسی طرح کرتی ہے۔ سورج، چاند، تارے، زمین، آسمان اور ان جیسی ان گنت مخلوقات کا خالق کتنا عظیم و بلند ہوگا، اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔ قرآن مجید نہ صرف ان صفات الٰہی سے خدا کی کبریائی کو بیان کرتا ہے، بلکہ جگہ جگہ اس کائنات پر غور و فکر کی دعوت دے کر انسانوں کو متوجہ کرتا ہے کہ اس کائنات کا خالق کتنا بلند و عظیم ہوگا۔

قرآن مجید یہ بھی واضح کرتا ہے کہ خدا کو اتنا بلند و عظیم بنانے والی چیز اس کی غیر محدود طاقت، اس کی بے پناہ قدرت اور اس کا لامحدود علم ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کو ان میں سے کوئی بھی عارضہ لاحق نہیں ہوسکتا جو مخلوق کو کمزور کر دیتا ہے۔ وہ موت، فنا، نیند، اونگھ، تکان جیسی ہر کمزوری سے پاک ہے۔ وہ کسی کی مدد کے بغیر زندہ اور تنہا اپنے سہارے پر قائم ہے۔

انسان کا تکبر

ایک طرف خدا کی یہ قادر مطلق ہستی ہے جو بجا طور پر اپنی برتری کا دعویٰ کرتی ہے اور دوسری طرف انسان ہے جو عاجز مطلق اور محتاج مطلق ہے، مگر اپنی برتری اور بڑائی کے دھوکے میں پڑا رہتا ہے۔ یہ عدم سے وجود میں آتا ہے۔ ایک قطرہ ناپاک سے جنم لیتا ہے۔ ماں کے پیٹ کی تاریکیوں میں زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ بے بسی اور فریاد کے ساتھ جنم لیتا ہے۔ ضرورتوں اور ناتوانیوں کے بیچ اپنا بچپن اور لڑکپن گزارتا ہے۔ موت سے قبل ایک دفعہ پھر اس کے اعضا و قویٰ جواب دے جاتے ہیں۔ سماعت و بصارت اور حافظہ کمزور ہوجاتے ہیں۔ دانت جھڑ جاتے اور بال سفید ہوکر گر جاتے ہیں۔ تن لاغر ہوجاتا اور جلد مرجھا جاتی ہے۔ آخر کار موت کے ہاتھوں شکست کھا کر فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔

اس انسان کو نوجوانی سے لے کر ادھیڑ عمر تک کچھ طاقت ملتی ہے۔ علم و ہنر کی کچھ آہٹ بھی وہ پالیتا ہے۔ محنت کر کے گھر بار بھی بنالیتا ہے۔ خدا دے تو دولت،، مقام اور سرداری سے بھی نوازا جاتا ہے۔ مگر اس میں کوئی بیماری آجائے یا کسی طاقتور سے سامنا ہوجائے تو یہ انسان بے بس ہوجاتا ہے۔ کھانا اور پانی نہ ملے تو دو دن میں زمین پر آجاتا ہے۔ نیند پوری نہ ہو تو دن کرنا دوبھر ہوجاتا ہے۔ گویا بادشاہی اور طاقت کی یہ ساری دکان ادھار پے چلتی ہے اور ہر چیز عارضی ہوتی ہے۔ مگر اس پر بھی یہ انسان خود کو بڑا سمجھنے لگتا ہے۔ وہ زمین پر اکڑ کر چلتا ہے گویا زمین کو پھاڑ

ڈالے گا یا پہاڑ سے اوپر اٹھ جائے گا۔ لوگوں سے بلند آواز سے بات کرتا ہے۔ اپنے جیسے انسانوں کو حقیر سمجھتا ہے۔ حق کا انکار کرتا ہے اور پیغمبروں کے مقابلے میں سرکشی کرتا ہے۔ فرعون کی طرح خود کو رب اعلیٰ کہتا اور عالی مرتبت سمجھتا ہے۔ اور کبھی قارون کی طرح عارضی مال و دولت پا کر گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کبھی عاد جیسی اقوام کی طرح اپنی طاقت پر مغرور ہو کر اس خدا کو بھول جاتا ہے جس نے انھیں بنایا۔ کبھی قوم نوح کی طرح اپنی فضیلت کے وہم میں مبتلا ہو کر اپنے پیغمبر کا کفر اور ان کے ساتھیوں کی تحقیر کرتا ہے۔ یہ سب دراصل اپنے روحانی آقا ابلیس کی پیروی کرتے ہیں جس کا اصل جرم ہی یہی تھا کہ اس نے حضرت انسان کے مقابلے میں خود کو برتر سمجھا تھا اور خدا کے حکم کا منکر ہو گیا تھا۔

تکبر اور حسد اور ان کا انجام

تکبر صرف اپنی ذات ہی میں ایک برائی نہیں بلکہ انسان کے اندر دیگر غیر محمود اوصاف بھی پیدا کرتی ہے۔ اکڑنا، فخر کرنا، شیخی خورہ پن، اپنے مال، طاقت، حسن اور دوسری نعمتوں میں مسرور رہنا جیسی بری عادات تکبر ہی کا نتیجہ ہیں۔ مگر اس کا سب سے برا اثر یہ ہوتا ہے کہ یہ انسان کو کسی اور کی فضیلت کے اعتراف سے بھی روک دیتا ہے۔ اس کا پہلا اظہار ابلیس کی طرف سے ہوا تھا جب اس نے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ یہی معاملہ ان یہود کا تھا جن کا خیال تھا کہ آخری نبی ان میں سے آئے گا، مگر جب وہ امیوں میں سے آیا تو اپنی برتری کو مجروح ہوتا دیکھ کر وہ حسد کے مرض کا شکار ہو گئے۔ چنانچہ حسد دراصل تکبر ہی سے جنم لینے والا مرض ہے جو انسان کو دوسرے فرد یا گروہ کو ملنے والی فضیلت کے نہ صرف انکار پر آمادہ کرتا ہے بلکہ یہ حسد انسان کو دشمنی کی اس آگ میں جلاتا ہے جس کے شر سے صرف اللہ ہی پناہ دے سکتا ہے اور اسی سے پناہ مانگنی بھی چاہیے۔

تکبر اور حسد کی یہی وہ خرابی ہے کہ جس کی بنا پر اس بات کا امکان بہت کم ہوتا ہے کہ ان امراض میں مبتلا لوگ کبھی راہ راست پر آسکیں۔ ایسے متکبرین کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتے اور آخر کار ان لوگوں کا انجام یہی ہوتا ہے کہ جہنم ان کا ٹھکانہ بن جاتی ہے۔ یہ لوگ نہ صرف خود جہنم میں جائیں گے بلکہ ہر اس شخص کو بھی جہنم میں لے جانے کا باعث بنیں گے جو ان کی جھوٹی بڑائی کے دھوکے میں آکر ان کے راستے پر چل پڑا اور حق کا انکار کیا۔ یہی وہ لوگ ہوں گے جو جہنم کے عذابوں کے ساتھ ایک دوسرے کی تو تکار کا عذاب بھی چکھیں گے۔

یہی وہ پس منظر ہے جس میں قرآن مجید نے نہ صرف تکبر کی سخت مذمت کی ہے بلکہ وہ راستہ بھی دکھایا ہے جو جنت کا راستہ ہے۔ یہ راستہ ان لوگوں کا ہے جو زمین پر اپنی بڑائی قائم نہیں کرنا چاہتے۔ ان کی یہ نیت ان کے دل کا حال ہی نہیں ہوتی بلکہ ان کی چال بھی ہوتی ہے۔ ایسے لوگ زمین پر اعتدال اور انکسار کی چال چلتے ہیں اور دوسروں سے نرم آواز سے گفتگو کرتے ہیں۔

قرآنی بیانات

''وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، بادشاہ، وہ منزہ ہستی، سراسر سلامتی، امن دینے والا، نگہبان، غالب، بڑے زور والا، بڑائی کا مالک۔ پاک ہے اللہ اُن سے جو یہ شریک بناتے ہیں۔''، (الحشر 23:59)

''وہ غائب و حاضر کا جاننے والا ہے، سب سے بڑا ہے، سب سے برتر ہے۔''، (الرعد 9:13)

''(اُس دن معاملہ صرف اللہ سے ہوگا)۔ اللہ، جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، زندہ اور سب کو قائم رکھنے والا۔ نہ اُس کو اونگھ لاحق ہوتی ہے نہ نیند۔ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے، سب اُسی کا ہے۔ کون ہے جو اُس کی اجازت کے بغیر اُس کے حضور میں کسی کی سفارش کرے۔ لوگوں کے آگے اور پیچھے کی ہر چیز سے واقف ہے اور وہ اُس کے علم میں سے کسی چیز کو بھی اپنی گرفت میں نہیں لے سکتے، مگر جتنا وہ چاہے۔ اُس کی بادشاہی زمین اور آسمانوں پر چھائی ہوئی ہے اور اُن

کی حفاظت اُس پر ذرا بھی گراں نہیں ہوتی، اور وہ بلند ہے، بڑی عظمت والا ہے۔‘‘، (البقرہ2:255)

’’یہ اِس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور جن چیزوں کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، وہ سب باطل ہیں اور اِس لیے کہ اللہ ہی برتر ہے، وہ سب سے بڑا ہے۔‘‘، (الحج22:62)

’’سو عاد کا معاملہ تو یہ تھا کہ وہ بغیر کسی حق کے زمین میں بڑے بن بیٹھے اور کہنے لگے کہ ہم سے بڑھ کر طاقت میں کون ہے! کیا اُنھوں نے سوچا نہیں کہ جس خدا نے اُن کو پیدا کیا ہے، وہ اُن سے طاقت میں کہیں بڑھ چڑھ کر ہے؟ (اِس طرح بڑے بن بیٹھے) اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے۔‘‘، (حم السجدہ41:15)

’’اِس پر اُس کی قوم کے سرداروں نے، جو منکر تھے، جواب دیا: ہم تو تمھیں اپنے جیسا ایک آدمی ہی دیکھتے ہیں اور ہمارے اندر جو اراذل ہیں، اُنھی کو دیکھتے ہیں کہ بے سمجھے بوجھے تمھارے پیچھے لگ گئے ہیں۔ ہم نہیں دیکھتے کہ ہمارے اوپر تمھیں کوئی بڑائی حاصل ہے، بلکہ ہم تو تمھیں بالکل جھوٹا سمجھ رہے ہیں۔‘‘، (ھود11:27)

’’(وہی رحمٰن ہے) اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں اور جاہل اُن سے الجھنے کی کوشش کریں تو اُن کو سلام کر کے الگ ہو جاتے ہیں۔‘‘، (الفرقان25:63)

’’پھر کہا کہ تمھارا سب سے بڑا رب تو میں ہوں۔‘‘، (النازعات79:24)

’’کہا جائے گا: جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، اُس میں ہمیشہ رہنے کے لیے۔ سو تکبر کرنے والوں کا یہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے!‘‘، (الزمر39:72)

’’ہماری نشانیوں کو جن لوگوں نے بھی جھٹلایا اور آخرت کی ملاقات کا انکار کیا ہے، اُن کے اعمال ضائع ہو گئے۔ اب کیا بدلے میں اُس کے سوا کچھ پائیں گے جو کرتے رہے ہیں؟‘‘، (الاعراف7:147)

’’اِس کے جواب میں متکبرین اُنھیں جو دبا کر رکھے گئے، کہیں گے: کیا ہم نے تمھیں ہدایت سے روکا تھا، اِس کے بعد کہ وہ تمھارے پاس آ گئی تھی؟ ہرگز نہیں، بلکہ تم خود ہی مجرم ہو۔

دبے ہوئے لوگ متکبرین کو جواب دیں گے: بلکہ تمھاری دن رات کی چالیں تھیں جو یہاں تک لے آئی ہیں، جب کہ تم ہمیں سمجھاتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور اُس کے شریک

ٹھیرائیں۔(پھر) جب عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو دلوں میں پچھتائیں گے۔ (مگر اُس وقت پچھتانے سے کیا حاصل! ہم اِن منکروں کے گلوں میں طوق ڈال دیں گے۔ یہ وہی بدلہ پائیں گے جو کرتے رہے تھے۔''، (السبا 34:33-32)

''اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو، اِس لیے کہ نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔''، (بنی اسرائیل 37:17)

''اور لوگوں سے بے رخی نہ کرو اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو، اِس لیے کہ اللہ کسی اکڑنے اور فخر جتانے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز کو پست رکھو، حقیقت یہ ہے کہ سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔''، (لقمان 31:19-18)

''اور (ہماری اِس اسکیم میں انسان کے امتحان کو سمجھنے کے لیے) وہ واقعہ بھی اِنھیں سناؤ، جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو وہ سب سجدہ ریز ہو گئے، ابلیس کے سوا۔ اُس نے انکار کر دیا اور اکڑ بیٹھا اور اِس طرح منکروں میں شامل ہوا۔''، (البقرہ 2:34)

''پر موسیٰ کو اُس کی قوم کے چند نوجوانوں کے سوا کسی نے نہیں مانا، فرعون کے ڈر سے اور خود اپنی قوم کے بڑوں کے ڈر سے کہ کہیں فرعون اُنھیں کسی فتنے میں نہ ڈال دے۔ حقیقت یہ ہے کہ فرعون اُس ملک میں بڑا جبار تھا اور اُن لوگوں میں سے تھا جو حد سے گزر جاتے ہیں۔''، (یونس 10:83)

''ہرگز نہیں، (یہ اپنی بڑائی پر نہ اِترائیں)، ہم نے ان کو اس چیز سے پیدا کیا ہے جسے یہ جانتے ہیں''، (المعارج 70:39)

''(اُس دن) جو بھلائی لے کر آئے گا، اُس کے لیے اُس سے بہتر بھلائی ہے اور جو برائی لے کر آئے گا تو جنھوں نے برائیاں کی ہیں، اُن کو وہی بدلے میں ملے گا جو وہ (دنیا میں) کرتے رہے۔''، (القصص 28:83)

''اور ہر حاسد کے شر سے، جب وہ حسد کرے۔''، (الفلق 113 :5)

پروین سلطانہ حنا

غزل

وقت کی رہ گزر نظر میں رہے
جس قدر بھی رہے، سفر میں رہے
اس جہاں میں قیام وقتی تھا
ہم یہ سمجھے کہ اپنے گھر میں رہے
جستجو آشیاں کی کرتے رہے
جسم و جاں سایۂ شجر میں رہے
ہم نے آنکھیں بچھائیں رستے میں
وہ کسی اور رہ گزر میں رہے
اس کی خوشبو جو ہم سفر ٹھہری
عمر بھر ہم اسی اثر میں رہے
جن کی منزل نہ کوئی رستہ تھا
بے یقینی کے بحر و بر میں رہے
تھی اجالوں سے دوستی میری
اس لیے ہم حنؔا سحر میں رہے

ابویحییٰ کے ناول

جو آپ کی سوچ، زندگی اور عمل کا محور بدل دیں گے

جب زندگی شروع ہوگی

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

قسم اس وقت کی

ایک منکرِ خدا لڑکی کی داستان سفر، جو سچ کی تلاش میں نکلی تھی

آخری جنگ

شیطان کے خلاف انسان کا اعلان جنگ

خدا بول رہا ہے

عظمتِ قرآن کا بیان ایک دلچسپ داستان کی شکل میں

Please visit this link to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles regularly Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit

www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)

فون: 0332-3051201 , 0312-2099389
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.org

ماہنامہ
اِنذار

ایک دعوتی واصلاحی رسالہ ہے۔ اس کا مقصد لوگوں میں ایمان واخلاق کی دعوت کو عام کرنا ہے۔ اس دعوت کو دوسروں تک پھیلانے میں ہمارا ساتھ دیجیے۔ یہ رسالہ خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی پڑھوائیے۔ اپنے کسی عزیز، دوست، ساتھی یا رشتہ دار کے نام سال بھر رسالہ جاری کروانے کیلئے:

فی کاپی سالانہ سبسکرپشن چارجز: 900 روپے (کراچی رجسٹرڈ پوسٹ)، 600 روپے (بیرون کراچی نارمل پوسٹ) اور VP کی صورت میں ڈاک خرچ 150 روپے سالانہ۔ ایجنسی ڈسکاؤنٹ 20 فیصد ہے۔ ایجنسی ڈسکاؤنٹ کے لیے کم از کم ہر ماہ پانچ رسالے لینا ضروری ہے۔

سبسکرپشن چارجز مندرجہ ذیل پر ارسال کریں	
Easy Paisa	Muhammad Shafiq 0334-3799503 CNIC # 42201-8355292-9
Money Order	Monthly Inzaar 4th Floor Snowhite Centre Abdullah Haroon Road Opp. Hotel Jabees Saddar Karachi
Account	Title of Account: Monthly Inzaar A/C # 0171-1003-729378 Bank Al Falah Saddar Branch Karachi.

آپ سے درخواست ہے کہ سبسکرپشن چارجز بھیجنے کے بعد اپنے نام اور موبائل نمبر کے ساتھ نیچے دیے ہوئے نمبر پر کال یا SMS ضرور کریں تاکہ آپ کے رسالے کی سبسکرپشن کی جاسکے۔ مزید معلومات کے لیے ان نمبرز پر رابطہ کریں۔ شکریہ

0332-3051201 , 0312-2099389

اگر آپ ہماری دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون کرسکتے ہیں، اس طرح کہ آپ:

1) ہمارے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے
2) 'ماہنامہ انذار' کو پڑھیے اور دوسروں کو پڑھوائیے
3) تعمیرِ ملت کے اس کام کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے رسالے کی ایجنسی لیجیے

ابو یحییٰ کی نئی کتاب

بندگی کے سو رنگ

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''میں نے جن وانس کو اپنی بندگی ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔''، (الذاریات 56:51)

بندگی کی یہ دعوت اپنے اندر اتنے ہی رنگ لیے ہوئے ہے جتنے خود زندگی کے مختلف رنگ، پہلو اور گوشے ہیں۔ پیش نظر کتاب میں زندگی کے ان رنگوں کو بندگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ اسی لیے اس مجموعہ مضامین کا نام ''بندگی کے سو رنگ'' رکھا گیا ہے۔

کتاب کا ہر مضمون وہ زاویہ نظر دیتا ہے جو ایک بندہ مومن سے اس کے مالک کو مطلوب ہے۔ چاہے اس کا تعلق زندگی کے فکری پہلو سے ہو یا عملی پہلو سے۔ بندگی کی سوچ مومن کی فکر و عمل کے ہر رانگ کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ بندے کو آمادہ کرتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر رنگ کو مالک کے بنائے ہوئے کینوس (canvas) کے پس منظر میں دیکھے۔

اس طالب علم کو یقین ہے کہ اس کتاب کے مطالعے کے بعد آپ کی زندگی بندگی کے رنگوں میں انشاءاللہ رنگ جائے گی۔ یہی اس کتاب کا مقصد تصنیف ہے۔

ابو یحییٰ

Monthly
INZAAR
OCT 2020
Vol. 08, No. 10
Regd. No. MC-1380
Publisher: Rehan Ahmed Printers: The Sami Sons Printers,
25-Ibrahim Mansion, Mill Street, Pakistan Chowk, Karachi